اسلامی زندگی

اسلامی زندگی

اسلامی زندگی

از

نصراللہ خاں عزیز
مدیر ایشیا لاہور

ناشر:
کوثر بک ایجنسی لاہور
نزد تھانہ گوالمنڈی

فہرست

۱۔ عقائد و عبادات ———— ۱۹

شرط ایمان
عبدیت کا احساس
توحید و اخلاص
اخلاص فی اللہ
شکر الٰہی
محاسبہ آخرت کا خوف
خوف آخرت
عبادت
نماز کی اہمیت
نماز کا اہتمام
محاسبہ آخرت
اخلاص فی اللہ
عقائد کی صحت
ناموس نبوی ؐ
ختم نبوت
خوف آخرت

۲۔ اخلاق و معاملات ——— ۴۱

اخلاص | مساوات | تلاوت قرآن سے شغف
رضائے الٰہی | اکل حلال | سلام کرنا
آرزو کی پاکیزگی | دیانت | دشمنوں سے محبت
توکل علی اللہ | انفاق فی سبیل اللہ | سچائی
تقویٰ | فیض کے اسباب بنانا | شرم و حیا
دل کی اہمیت | سخاوت | شرافت اخلاق
عفو و درگذر | ایثار و قربانی | خوش اخلاقی
عفو و حلم | فرض شناسی | اچھا سلوک
صبر و تحمل | فراست و حسن تدبیر | پابندیٔ عہد
اصلاح نفس | دانائی | ماں باپ کی خدمت
انکسار | دنیا پر دین کو ترجیح | صحبت بد سے اجتناب
شہرت سے پرہیز | عیب پوشی | جفاکشی
قوت حافظہ | استقامت

۳۔ حکومت و سیاست ——— ۱۱۷

اطاعت رسول | اسلامی حکومت کی خصوصیات | نفاذ احکام اسلام
حضرت عمر کا ایک خطبہ | اسلامی حکومت کے اثرات | تبلیغ اسلام

شوق جہاد	رعایا کی خبرگیری	صلح وصفائی
احساس ذمہ داری	رعایا کے حقوق کی دستاویز	مسلمانوں میں صلح کرانا
منصب وعہدہ سے احتراز	خدمت خلق	بے لاگ عدل
احتساب حکام	اعتراف خدمات	عدل پروری
عمال کا احتساب	اسلامی حکومت میں ذمیوں کی حالت	عدل ومساوات
احتساب	آزادئ رائے	عدل وانصاف
فاسق قیادت سے بیزاری	سیفٹی ایکٹوں کا عدم جواز	حق پسندی
ظالموں سے بیزاری	قومی عصبیت سے احتراز	حق گوئی
ظلم میں تعاون سے اجتناب	قتل مسلم سے اجتناب	حق گوئی وبے باکی
مصارف حکومت میں کفایت شعاری	خون مسلم کا احترام	حق پسندی
حسن انتظام	احترام مسلم	جرات وبے باکی
استقلال واستقامت	سلاطین سے اجتناب	
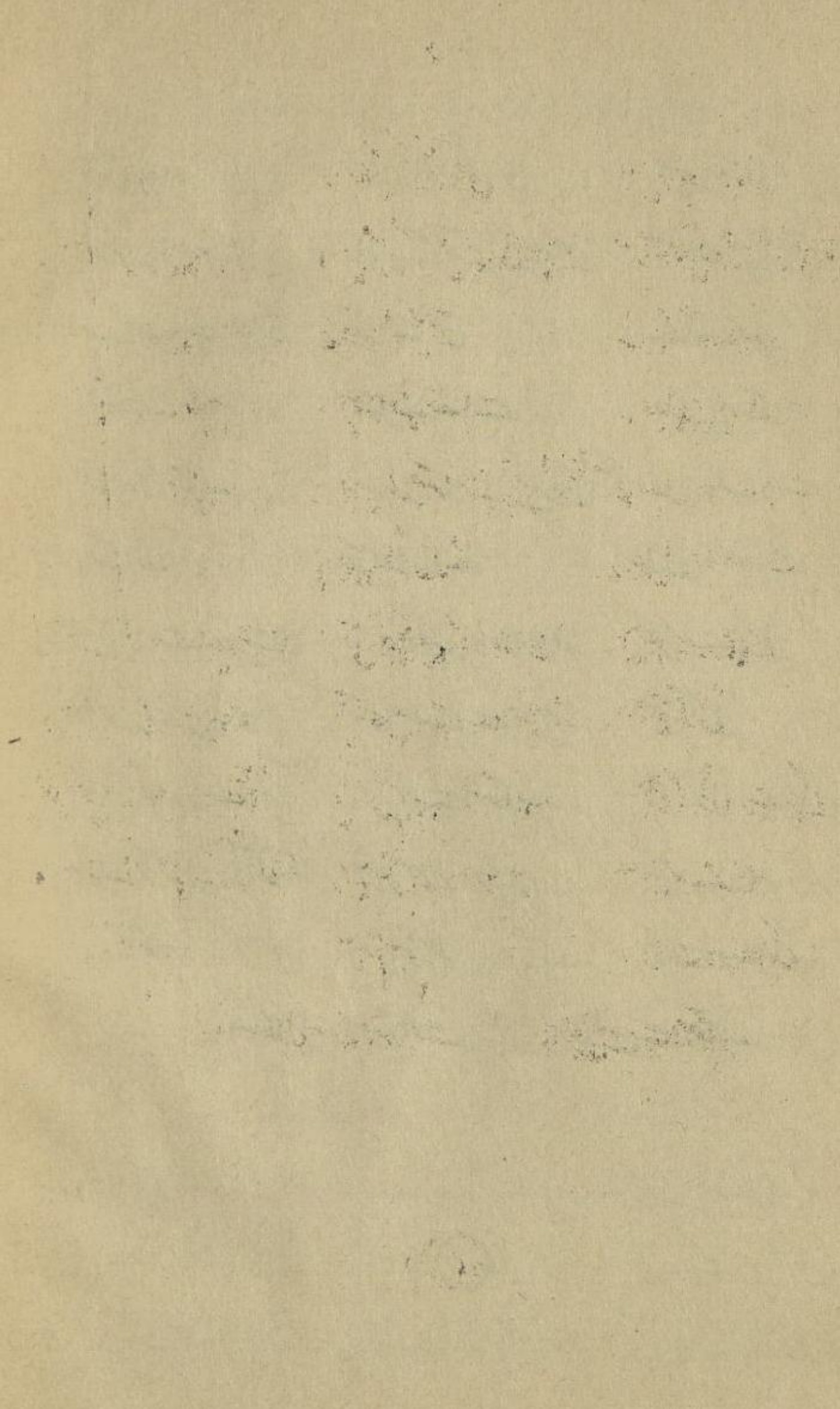
انتساب

اس آفتاب ہدایت کے نام جن کی روشن کرنوں سے اسلامی
زندگی کا گوشہ گوشہ روشن ہوا اور نوع انسانی نے صحیح پاکباز اور کامیاب
زندگی بسر کرنے کا راز پایا۔ اس رسول برحق کے نام جن کے لائے
ہوئے پیغام سے میں نے راہ حق پائی اور جن کی پاک سیرت کا ایک
ایک واقعہ زندگی کے سفر میں میرے لئے سنگ میل ثابت ہوا۔
جس کی راستبازی کے چشمے سے میں نے راستبازی کے ساغر
پیئے جس کے عفو و حلم سے میں نے عفو و حلم کا درس پایا۔ جس کی

استقامت سے میری لغزش پا کو سکون ملا، جس کے جہاد حق نے مجھے کلمۂ حق کی توفیق دی، اور جس کی مبارک سیرت نے میری غم آلود زندگی کو فرح و نشاط بخشا، جس کی محبت میرا سرمایہ زندگی اور جس کی پیروی میرے لئے باعث نجات ہے،

وصلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ اجمعین

خاکپائے مصطفیٰؐ
نصر اللہ خان عزیز

تعارف

"عملی مثال تلقین سے بہتر ہے" یہ ایک مشہور ضرب المثل ہے اور انسانی فطرت کے ایک عام پہلو پر مبنی۔ بہت سی باتیں جو سمجھ میں نہیں آتیں، عملی مثال سے دل میں اتر جاتی ہیں۔ اور بہت سے کام جن کے کرنے کی ہمت انسان اپنے میں نہیں پاتا ان کو دوسروں کو کرتا ہوا دیکھ کر انہیں کر ڈالتا ہے۔ انسانی فطرت جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا ہے اس کا یہی بنیادی پہلو ہے جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لئے کتاب سے پہلے نبی کو پیدا کیا۔ اور نبی نے خدا کا پیغام پہنچانے سے پہلے خود اس پر عمل کر کے دکھا دیا۔ ہادی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی عنوان سیرت ہے جو دعوت اسلامی کی حیرت انگیز کامیابی کا موجب ہوا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے

کسی شخص نے پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کیسی تھی۔ ام المومنین نے فرمایا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ عرض کیا ام المومنین پڑھا ہے۔ ارشاد ہوا۔ بس میرے حبیبؐ کی زندگی وہی تھی جو قرآن کی ہے۔ یعنی اللہ کی کتاب کا عملی پیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اسلام کا پیغام جس عہد، زمانے اور ماحول میں دیا گیا اس میں وہ عملاً بالکل ناقابل عمل تھا۔ لیکن جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ایک ایک حرف پر عمل کر کے دکھا دیا تو صحابہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اس پیغام پر ایمان لائے تھے۔ اس پر نہایت آسانی سے عمل پیرا ہو گئے۔ اسلام کی تعلیمات جیسے جیسے نازل ہوتی گئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے وجود میں اس کی عملی تعبیر مہیا ہوتی گئی۔ عقائد عبادات اخلاق عادات ہر معاملے میں پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسوۂ حسنہ بنے اور پھر آپؐ کے اتباع میں آپ کے دوست اس راہ پر گامزن ہو گئے۔ یہاں تک کہ دعوت حق کی مخالفت کے باعث پیروان حق پر جو مصائب نازل ہوئے ان میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر کے حصہ دار تھے اور استقامت و ثبات قدم میں سب سے آگے۔ اور پھر اسی صورت حال کا نتیجہ تھا کہ ۲۳ برس کے عرصے میں ایک

مکمل ریاست اسلام کی تعلیمات پر قائم ہوگئی۔ اور اس کو ایسی رعایا مل گئی جس کا ہر فرد اس ریاست کے اصول نظام تمدن معاشرت سیاست اخلاق اور ثقافت کا مظہر تھا۔ اس ریاست کے ساتھ جس طرح اس کی رعایا ہم آہنگ تھی اتنی ہم آہنگ رعایا تاریخ انسانی میں کسی ریاست کی نہیں ملتی۔

پھر جو شمع حق اس طرح روشن ہوئی تھی وہ تھوڑے ہی عرصے میں بجھ نہیں گئی۔ بلکہ آج تک اس کی کرنوں سے معاشرہ پر نور ہے اور بعد کے ادوار میں بھی اسلامی زندگی کے عملی پیکر موجود رہے جنہوں نے اپنی عملی مثال سے بتاتے رہے ہیں کہ اس زندگی کے اصول کیا ہیں۔ ان پر عمل کس طرح کیا جاتا ہے۔ تاکہ کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ اب حالات بدل گئے ہیں۔ زمانہ بگڑ گیا ہے۔ ماحول خراب ہو گیا ہے۔ اب اسلامی زندگی بسر کرنا ممکن نہیں رہا بلکہ ہر دور میں ہر انسانی بستی میں ایسے افراد کم و بیش موجود رہے ہیں جنہوں نے اسلامی زندگی بسر کر کے ثابت کر دیا کہ یہ زندگی نہ صرف قابل عمل ہے۔ بلکہ یہی زندگی پاکیزہ بلند اور کامیاب بھی ہے۔

قرآن مجید سے بہتر کوئی کتاب ہدایت نہیں لیکن اس کی تعلیمات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ عمل کر کے نہ دکھاتے تو یہ کتاب ہدایت محض ایک کتاب قانون ہوتی۔ اور اگر تابعین اور تبع تابعین اور بعد کے صلحائے امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے طریق عمل پر کاربند نہ ہوتے تو ہمیں اس امر کا کبھی یقین نہ ہو سکتا۔ کہ اسلامی زندگی ہر زمانے میں بسر کی جا سکتی ہے۔

خود خلاق فطرت نے بھی اسی راز فطرت کی بنا پر قرآن مجید میں انبیاء صالحین مومنین کے حالات و واقعات جگہ جگہ بیان فرمائے ہیں۔ اور لقد کان فی قصصھم عبرۃ لاولی الالباب کی سرمدی حقیقت کا اعلان فرمایا ہے۔ زندگی کی اس بنیادی حقیقت ہی کا احساس و شعور تھا کہ جب سے میں اقامت دین کی تحریک میں شامل ہوا میرے دل میں ہمیشہ یہ خیال رہا کہ ایک ایسی کتاب مرتب کرنی چاہیے جس میں اسلامی زندگی کے خدوخال کو شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا جائے مگر اس کا انداز تلقین و تعلیم کا نہ ہو بلکہ عمل و اسوہ کا ہو۔ تاکہ جو شخص اسلامی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے وہ عملی طور پر دیکھ لے کہ اس کے جلیل القدر پیشروؤں نے اس زندگی کے مختلف پہلوؤں کو کیا سمجھا اور ان پر کس طرح عمل کیا یہ گویا اسلامی

زندگی کی منزل کے مسافر کا ہاتھ پکڑ کر اسے لے چلنا ہوگا۔ دور سے صرف نشانات منزل بتا دینا نہ ہوگا۔

لیکن سالہا سال تک یہ خیال ایک خیال ہی رہا۔ اخبار نویسی کی روز مرہ کی مصروفیتوں نے اجازت ہی نہ دی کہ اس مقصد کے لئے قلم اٹھاؤں۔ یہاں تک کہ کارساز قدرت نے فراغت و مہلت کا سامان فراہم کر دیا۔ یعنی ۲۸، مارچ ۱۹۵۳ء کو جماعت اسلامی کے رہنماؤں اور کارکنوں کے ساتھ مجھے بھی مارشل لاء کے ذریعے قید و بند کا فراغ نصیب ہوا۔ اور ایک ایسا گوشۂ عافیت حاصل ہوا جس میں بیٹھ کر مطالعہ بھی کیا جائے اور حسب منشاء تصنیف و تالیف کا کام بھی کیا جائے۔ لیکن کارساز کریم نے محض گوشۂ زنداں کی آسودگی ہی نہیں بخشی بلکہ ایسے رفقائے زنداں عطا فرمائے جن کی رفاقت قید و بند کو سیر چمن سے زیادہ خوشگوار بنانے والی اور جن کی موجودگی قلب و روح کی بالیدگی کا سامان بھی۔ یعنی ایک سال تک مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کی ہمراہی کا شرف حاصل رہا اور ان کے فیضان علمی سے سیراب ہونے کا موقعہ ملا۔ اسی دوران میں میں نے مولانا سے پیش نظر کتاب کے تصور

کا تذکرہ کیا۔ مولانا نے اس کو پسند کیا۔ اور میں نے سیرت و تاریخ کی کتابیں منگا کر کوئی چالیس پچاس صفحات لکھ کر عشاء کی نماز کے بعد جبکہ مولانا سونے کے لئے بستر پہ دراز ہوئے ان کی خدمت میں پیش کئے۔ مولانا ان کو دیکھتے رہے اور میں حسب معمول چند منٹوں میں سو گیا۔ صبح کو اٹھا تو مولانا نے مسودہ یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ وہ اسے رات کو ختم ہی کر کے سوئے تھے۔ مولانا نے اس کے انداز کو بھی پسند کیا اس سے مجھے اور حوصلہ ہوا اور میں فراغت کے اوقات میں اس کی تسوید و تحریر میں مشغول ہو گیا۔ یہاں تک کہ کئی سو صفحات کی ایک کتاب مرتب ہو گئی۔

یہ ہے داستان اس تالیف کی۔ میں نے اسے صرف اس غرض سے مرتب کیا ہے کہ اسلامی زندگی کے مسافران حق اس کے نشانات پہ اپنی منزل حیات طے کرنے کے لئے ہمت اور رہنمائی حاصل کریں اور ان کے اس حسن عمل سے مجھے بھی ثواب ملے اور میرے نامۂ اعمال کی سیاہی بھی ان کے نقوش پا سے زائل ہو جائے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم و تب علینا انک انت التواب الرحیم
ربنا اغفرلنا ذنوبنا وکفر عنا سیئاتنا وتوفنا مع الابرار ، ربنا واتنا ما
وعدتنا علی رسلک ولا تخزنا یوم القیامہ انک لا تخلف المیعاد ، وصل علی
رسولک خیر خلقک محمد والہ واصحابہ اجمعین ، آمین

نصر اللہ خاں عزیز
۲ نومبر ۱۹۵۵ء

عقائد و عبادات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شرط ایمان

حضرت مسلم بن سیار، حضرت طلحہؓ کے غلام تھے اور ان ہی کے فیض صحبت سے اسلام اور ایمان کے حقیقت شناس تھے۔

فرمایا کرتے تھے۔ کہ

"ایمان باللہ کے لئے یہ ضروری ہے۔ کہ آدمی ان تمام باتوں کو ترک کر دے جو اللہ کو ناپسند ہیں۔

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بندے کا ایمان کس کام کا ہے اگر وہ خدا کی ناپسندیدہ باتوں کو نہیں چھوڑتا۔"

عبدیت کا احساس

حضرت میمون بن مہران کوفہ میں ایک ازدی عورت کے غلام تھے پھر آزاد کر دیئے گئے اور علم و فضل سے بہرہ مند ہو کر حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر سرفراز ہوئے۔ وہ اعتدال سے زیادہ نماز روزہ نہیں کرتے تھے۔ مگر خدا کی معصیت میں مبتلا ہونا انہیں سخت ناگوار تھا۔ وہ فرماتے تھے توحید اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک شرک کی نفی نہ ہو۔

ان کے صلاح و تقویٰ کی وجہ سے لوگ ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ایک شخص نے ان سے کہا

"ابو ایوب جب تک خدا آپ کو زندہ رکھے گا۔ لوگ بھلائی پہ قائم رہیں گے"۔

حضرت میمون نے اس بات کو سخت ناپسند کیا اور فرمایا

"اس قسم کی بات نہ کہو۔ لوگ اس وقت تک بھلائی پہ قائم رہیں گے جب تک اپنے رب سے ڈرتے رہیں گے"۔

توحید و اخلاص

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے فیصلے کے لئے جو مقدمات پیش تھے ان کو نمٹا کر اٹھے اور دوسرے امور سلطنت میں مشغول ہو گئے۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور عرض پرداز ہوا کہ امیر المومنین! فلاں شخص نے مجھ پر ظلم کیا ہے۔ مجھے انصاف دلوایئے اور میرے مقدمے کا فیصلہ فرمایئے۔

امیر المومنین اس دوسرے کام میں مصروف تھے بے وقت مداخلت سخت ناگوار گذری اور انہوں نے کوڑا اٹھا کر اس شخص کے سر پر دے مارا اور کہا۔

"جب میں فصل مقدمات کے لئے بیٹھتا ہوں تو تم لوگ نہیں آتے اور جب مسلمانوں کے دوسرے کاموں میں مصروف ہو جاتا ہوں تو دہائی دیتے ہوئے آجاتے ہو اور کام کا حرج کرتے ہو۔"

سائل ناراض ہو کر چلا۔ ابھی وہ چند قدم ہی گیا تھا کہ حضرت عمر نے اس کو بلایا اور کوڑا اس کے سامنے ڈال کر کہا۔

"لو بدلہ لے لو۔ جس طرح میں نے تمہیں کوڑا مارا تم بھی مار لو"

"امیر المومنین میں خدا کے لئے اور آپ کے لئے معاف کرتا ہوں"
اس شخص نے عرض کیا۔
"نہیں نہیں۔ اس طرح نہیں ریا تو خدا کے لئے معاف کر دیا میرے لئے"۔ فاروق اعظم نے کہا۔
"میں صرف خدا کے لئے معاف کرتا ہوں"۔ اس آدمی نے عرض کیا۔

○

اخلاص فی اللہ

حضرت ربیع بن عیثم . سرخس کے رہنے والے تھے ۔ ابتدا میں غلام تھے ۔ آزاد ہو کر بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی ۔ پھر علم کی طرف توجہ کی اور مسلمانوں کے امام اور آقا ہو گئے ۔ ہر کام اللہ کے لئے کرتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے اپنے گھر والوں سے ایک خاص کھانے کی فرمائش کی چونکہ وہ اپنے لئے کبھی کسی چیز کی فرمائش نہیں کرتے تھے ۔ اس لئے ان کی بیوی نے بڑے اہتمام سے وہ کھانا تیار کیا ۔ حضرت ربیع نے کھانا لیا اور پڑوس میں جو ایک دیوانہ رہتا تھا اس کو اپنے ہاتھ سے جا کر کھلا آئے اس کے منہ سے لعاب بہ رہا تھا اور وہ اس کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلا رہے تھے ۔ واپس آئے ۔ تو بیوی نے کہا تم نے کھانا لے جا کر ایک ایسے شخص کو کھلا دیا جو یہ بھی نہیں جانتا کہ اس نے کیا کھایا ۔ آپ نے جواب دیا ——— "خدا تو جانتا ہے"

شکرِ الٰہی

مومن ہر کام اللہ کی رضا کی خاطر کرتا ہے اور جب وہ کامیابی حاصل کرتا ہے تو اس پر فخر کرنے اور اسے اپنی کوششوں کا نتیجہ سمجھنے کی بجائے اللہ ہی کی بارگاہ قدس میں سجدۂ شکر بجا لاتا ہے۔

جنگ یرموک اسلامی تاریخ جہاد میں نمایاں ترین مقام رکھتی ہے۔ رومی فوجیں بڑے جوش سے میدان میں نکلی تھیں اور ۳۰ ہزار جنگجوؤں نے تو فتح یا موت کی قسم کھالی تھی اور پاؤں میں بیڑیاں پہن لی تھیں کہ بھاگنے کا خیال تک نہ آئے۔

ہزاروں پادری اور بشپ ہاتھوں میں صلیب لئے آگے آگے تھے اور حضرت مسیح کا نام لے کر جوش دلاتے تھے۔ بالآخر بڑے معرکے کا رن پڑا۔ مگر رومیوں کا یہ تمام ساز و سامان مجاہدین کے جوش ایمانی کے سامنے بیکار ثابت ہوا۔ ان کا توکل اور صبر و ثبات رومی عزائم کو بہا کر لے گیا اور عیسائیوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ ایک لاکھ کے قریب رومی کھیت رہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس فتح مبین کی اطلاع ملی تو سجدے میں گر کر خدا کا شکر ادا کیا۔

فتوحات کا شکر ادا کرنے اور ان پر مسرت کا اظہار کرنے کا یہی اسلامی طریقہ تھا۔ وہ لہو و لعب اور فسق و فجور کے مظاہروں سے کامیابیوں کی خوشی نہیں مناتے تھے۔

عقائد کی صحت

صحتِ عقائد ایمان کی بنیاد ہے۔ سلف صالحین اس معاملے میں سخت احتیاط برتتے تھے۔

حضرت ابراہیم تیمی سے ایک شخص نے درخواست کی کہ ابو عمران دعا کیجئے خدا اب مجھے شفا دے۔ فرمایا۔ ایک شخص نے حضرت حذیفہؓ (صحابی) سے دعائے مغفرت کی درخواست کی تھی۔ انہوں نے جواب میں کہا۔ خدا تمہاری مغفرت نہ فرمائے۔ یہ سن کر وہ شخص ان کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا۔ حضرت حذیفہ نے دعا کی "خدا اس کو حذیفہ کی جگہ داخل کرے"۔ پھر اس شخص سے پوچھا اب تو تم راضی ہو۔ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا بعض لوگ اس خیال سے بعض اشخاص کے پاس جاتے ہیں۔ گویا اس نے تمام مراتب حاصل کر لئے ہیں۔ اور کوئی بلند اور مقبول بارگاہ ہستی بن گیا ہے۔

مقصد یہ تھا کہ بندے کو براہ راست خدا سے خود دعا کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے۔ یہ سمجھنا کہ دوسرا شخص خدا کی جناب میں ایسے مقام پر پہنچ گیا ہے کہ اس کی دعا لازماً مان لی جائے گی۔ خواہ خدا کو پسند ہو یا ناپسند۔ عقیدۂ توحید کے خلاف ہے۔ اللہ تعالےٰ

بہر حال بندے پر سب سے زیادہ مہربان ہے۔ اگر وہ بندے کی
دعا قبول کرنا چاہتا ہے تو قبول فرمالے گا کسی اور کی سفارش ہو یا نہ ہو

عزت ناموس نبویؐ

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کی حفاظت میں مومن سینہ سپر رہتا ہے۔ رسول اللہ کی محبت سب محبتوں پر غالب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت قتیلہ بنت قیس سے نکاح کیا تھا۔ مگر وہ حرم میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔ اور اس کو ام المومنین ہونے کا شرف حاصل نہیں ہوا تھا۔

حضرت عکرمہ بن ابوجہل نے حضر موت میں قتیلہ سے نکاح کر لیا حضرت ابوبکرؓ کو معلوم ہوا تو وہ غیرت ناموس نبی سے شعلہ جوالہ بن گئے اور حکم دیا کہ دونوں کو آگ میں جلا دیا جائے لیکن حضرت عمرؓ نے حقیقت حال سے آگاہ کیا اور بتایا کہ قتیلہ ازواج نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل نہیں۔ اس طرح عکرمہ اور قتیلہ کی جانیں بچیں۔
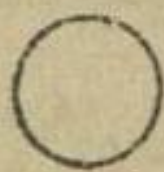
ختم نبوت

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ جب سریر آرائے خلافت ہوئے تو سب
سے پہلا کام یہ کیا کہ لوگوں کو جمع کر کے ایک تقریر کی اور کہا کہ "مجھے میر
مرضی کے خلاف خلیفہ نامزد کر دیا گیا ہے۔ میں اپنی بیعت کا قلادہ تمہار
گردنوں سے اتارتا ہوں اور تم کو حق دیتا ہوں کہ جس کو چاہو خلیفہ منتخب ک
مگر پورے مجمع نے یک زبان ہو کر کہا ہم نے آپ کو خلیفہ منتخب کیا ہ
آپ خدا کا نام لے کر کام شروع کر دیجئے۔"

جب ان کی خلافت پہ سب کا اتفاق ہو گیا۔ تو آپ نے ایک مفص
تقریر کی اور اس میں اطاعت امیر اور لوگوں کے فرائض اطاعت ک
وضاحت کی"۔ آپ نے حمد و نعت کے بعد فرمایا۔

"تمہارے نبی کے بعد دوسرا نبی نہیں اور اس پہ جو کتاب نازل ہو
ہے اس کے بعد کوئی دوسری کتاب نہیں۔ خدا نے جو چیز حلال کر د
وہ قیامت تک کے لئے حلال ہے اور جو حرام کر دی وہ قیامت تک
حرام رہے گی"۔ میں اپنی طرف سے کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں ہوں بلک
صرف احکام الٰہی کو نافذ کرنے والا ہوں۔ میں خود کوئی بات شرو

رنے والا نہیں ہوں بلکہ صرف پیرو ہوں، کسی کو حق نہیں کہ خدا کی نافرمانی
ں اس کی اطاعت کی جائے۔ میں تمہاری جماعت کا بہتر آدمی بھی نہیں بلکہ
مولی فرد ہوں۔ البتہ خدا نے مجھ کو تم سے زیادہ گرانبار کر دیا ہے۔"
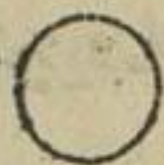
خوف آخرت

حضرت ابوبکرؓ نے ایک سرسبز درخت کو دیکھا اور کہنے لگے۔
"کاش میں درخت ہوتا کہ عاقبت کی ذمہ داری سے چھوٹ جاتا"
باغ میں پرندوں کو چہچہاتے دیکھا۔ آہ سرد کھینچ کر فرمایا۔
"پرندو تمہیں مبارک ہو کہ مزے سے چگتے پھرتے ہو۔ اڑتے پھرتے ہو۔ درختوں کی شاخوں میں بیٹھتے ہو۔ اور قیامت میں تمہارا کوئی حساب کتاب نہیں کاش ابوبکر تمہاری طرح ہوتا"

محاسبہ آخرت

حضرت ابراہیم بن یزید تیمی ایک ممتاز تابعی اور کوفہ کے علمائے باعمل
میں سے تھے۔ ان کے والد یزید تیمی ایک امیر آدمی تھے مگر اس کے باوجود نہایت
سادہ لباس میں رہتے تھے ایک روز ابراہیم نے ان سے کہا:

"ابا جان یہ آپ نے روئی کا معمولی کرتا زیب بدن کر رکھا ہے، خدا
نے آپ کو کافی دولت دی ہے۔ کوئی قرینے کا لباس کیوں نہیں پہن لیتے"
والد نے جواب دیا

"بیٹا جب میں بصرہ آیا تو ہزاروں پیدا کئے مگر میری خوشی میں کوئی اضافہ
نہ ہوا۔ اس لئے لباس میں میرے لئے مسرت کا کوئی سامان نہیں - میں
محاسبہ آخرت سے ڈرتا ہوں۔ کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے صحابی حضرت ابودرداء سے سنا ہے کہ قیامت کے روز ایک درہم
رکھنے والے سے زیادہ دو درہم رکھنے والے سے حساب ہو گا۔"

محاسبۂ آخرت کا خوف

محاسبۂ آخرت کا خوف، وہ اندیشہ اسلامی زندگی کی بنیاد ہے ۔ یہی ایک اندیشہ ہے جس کی وجہ سے ایک آدمی اپنی زندگی کا کردار درست رکھتا ہے اور فرائض زندگی کو خدا کے احکام کے مطابق ادا کرتا ہے ۔ حضرت عمر بن عبد العزیز جب مرض الموت میں زندگی سے مایوس ہو گئے تو اپنے بعد ہونے والے خلیفہ یزید بن عبد الملک کو ایک وصیت نامہ لکھا جس میں انہوں نے تحریر فرمایا ۔

”تم کو معلوم ہے کہ امور خلافت میں مجھ سے سوال کیا جائے گا ، اور خدا مجھ سے حساب لے گا اور میں اپنا کوئی کام اس سے چھپا نہ سکوں گا ۔ اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے ۔

فلنقصن علیہم بعلم وما کنا غائبین (ہم ان کے سامنے علم کی بنا پر بیان کریں گے اور ہم غائب نہیں ہیں)

اگر میرا پروردگار مجھ سے راضی ہو گیا تو میں کامیاب ہوا اور ایک طویل عذاب سے نجات پا گیا ۔ اگر وہ مجھ سے ناراض ہوا تو افسوس ہے میرے انجام پر ۔ میں اس خدا سے جس کے سوا کوئی خدا نہیں دعا کرتا ہوں کہ مجھے اپنی رحمت سے نوازے اور عذاب

سے نجات دے۔ اور اپنے فضل وکرم سے جنت عطا کرے۔
تم کو تقویٰ اختیار کرنا چاہئیے اور رعایا کا خیال رکھنا چاہیئے۔۔۔"

محاسبۂ آخرت ہی کا یہ خوف تھا جس کے باعث عمر بن عبدالعزیز کی زندگی میں انقلاب رونما ہوا اور انہوں نے حکومت وسلطنت میں ایک صالح اور پاکیزہ انقلاب رونما کیا یہاں تک کہ لوگوں کو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دور خلافت یاد آگیا۔

خوفِ آخرت

حضرت زین العابدین ایک روز نماز پڑھ رہے تھے۔ سجدے میں تھے کہ کہیں پاس ہی آگ لگ گئی لوگوں نے آپ کو بھی پکارا اور کہا اے ابن رسول آگ لگی" ابن رسول آگ لگی۔ لیکن آپ نے سر نہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ آگ بجھادی گئی

لوگوں نے پوچھا "آپ کو آگ کی طرف سے اس قدر بے پروا کس چیز نے کر دیا"

"دوسری آگ (آتش دوزخ) نے"

حضرت امام نے جواب دیا۔

عبادت

حضرت سعید بن مسیب نماز باجماعت میں اتنا اہتمام ملحوظ رکھتے تھے کہ چالیس سال اور ایک روایت کے مطابق پچاس برس تک ایک وقت کی نماز باجماعت بھی ناغہ نہیں ہوئی۔ ہمیشہ وقت پر مسجد پہنچتے اور کبھی ایسا نہ ہوا کہ لوگ نماز تمام کر کے واپس جارہے ہوں اور وہ مسجد میں پہنچیں۔

اس اہتمام عبادت کے باوجود جب ان کے غلام برد نے ان سے بعض آدمیوں کی کثرت عبادت کا تذکرہ کیا تو فرمایا

"بخدا کی قسم یہ عبادت نہیں ہے عبادت الٰہی کہتے ہیں امور الٰہی میں غور کرنے اور اس کے محارم (جن امور سے اس نے منع کیا ہے) سے بچنے کو۔"

نماز کی اہمیت

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے والد عبدالعزیز مصر کے گورنر تھے۔
انہوں نے اپنے لڑکے عمر کو اعلیٰ تعلیم دلانے کے لئے مدینہ حضرت صالح بن کیسان کی نگرانی میں دے دیا تھا۔ یہ صالح بن کیسان کا فیضان تربیت تھا کہ بنی امیہ کے خانوادے میں وہ "فاروق ثانی" پیدا ہوا جس نے خلافت راشدہ کو از سر نو زندہ کر دیا۔

صالح ابن کیسان نے کس اہتمام سے ان کی تربیت کی، اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز نے نماز میں دیر کر دی،

"تم نے آج نماز میں دیر کیوں کر دی" خدا پرست استاد نے باز پرس کرتے ہوئے پوچھا،

"بال سنوار رہا تھا اس لئے ذرا دیر ہو گئی" شاگرد نے ادب سے جواب دیا

"اچھا، اب بالوں کی آرائش میں اتنا شغف ہو گیا ہے کہ اس کو نماز پر ترجیح دی جاتی ہے" شفیق استاد نے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

اس کے بعد ان کے والد کو استاد نے یہ واقعہ لکھ بھیجا، عبدالعزیز کو

یہ معلوم ہوا تو اسی وقت ایک آدمی کو مصر سے مدینہ روانہ کیا جس نے آکر سب سے پہلے ان کے سر کے بال مونڈے اس کے بعد کسی سے بات چیت کی؛ عمر کے والد کا یہی حکم تھا۔

حسن تربیت کا یہی اہتمام تھا جس نے اموی خاندان کے ایک نازپروردہ شہزادے کو "حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ" بنا دیا۔ جن کے متعلق امام احمد بن حنبل کی رائے ہے کہ وہ پہلی صدی کے مجدد تھے۔

○

نماز کا اہتمام

حضرت اسود بن یزید ایک ممتاز تابعی عالم اور بزرگ تھے۔ نماز ہمیشہ اول وقت ادا کرتے۔ نماز میں اس قدر اہتمام تھا کہ خواہ کسی کام اور کسی حالت میں بھی ہوتے نماز کا وقت آتے ہی سب کام کاج چھوڑ کر نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔ ان کے ہم سفر ہمراہیوں کا بیان ہے، کہ سفر کی حالت میں کیسے ہی دشوار گذار رستے سے جا رہے ہوں، نماز کا وقت آنے پر سواری روک کر نماز ادا کرتے، تب آگے بڑھتے۔

اخلاص فی اللہ

حضرت نافع بن کاؤس ایک عجمی غلام تھے اور آخر میں کسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچ گئے تھے۔ ابن عمر نے ان کی تعلیم و تربیت میں بے حد اہتمام کیا اور نافع اپنے عہد کے ممتاز ائمہ حدیث میں ہو گئے۔

ان کے کمالات کی وجہ سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان کو بے حد محبوب رکھتے تھے۔ غلامی کے زمانے میں لوگوں نے ان کی گراں قدر رقمیں پیش کیں مگر ابن عمر ان کو علیحدہ کرنے پر راضی نہ ہوئے۔ عبداللہ بن جعفر نے ۱۲ ہزار کی رقم پیش کی۔ ابن عامر نے کہا میں تیس ہزار دیتا ہوں۔ لیکن ابن عمرؓ نے صاف انکار کر دیا۔ اس کے برعکس انہوں نے جواب دیا مجھے خوف ہے کہ ابن عامر کے روپیے کہیں مجھے آزمائش میں نہ ڈال دیں۔ اور نافع کو آزاد کر دیا اور دنیوی دولت چھوڑ کر خدا کی رضا حاصل کر لی۔

اخلاق و معاملات

اخلاص

مسلمان جب کوئی نیک کام کرتا ہے تو صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے۔ عامر بن عبداللہ عنبری جہاد کی ایک مہم میں شریک ہوئے اللہ تعالےٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا کی اور جنگ میں ایک بڑے ممتاز دشمن کی لڑکی ہاتھ آئی۔ لوگوں نے اس لڑکی کے اوصاف بیان کئے عامر نے تعریف سن کر کہا "میں بھی مرد ہوں یہ لڑکی مجھے دے دو"۔ ان کے زہد و اتقاء کے باعث ان کی اس غیر متوقع خواہش پر لوگوں نے لڑکی ان کے حوالے کر دی۔ جب لڑکی ان کے قبضے میں آگئی تو انہوں نے لڑکی سے کہا "میں تمہیں خدا کے لئے آزاد کرتا ہوں" لوگوں کو معلوم ہوا تو کہا۔

"یہ آپ نے کیا غضب کیا اتنی صاحب اوصاف لڑکی کو آزاد کر دیا اس کے بدلے میں کوئی دوسری لونڈی آزاد کر سکتے تھے"۔

"میں اپنے رب سے ثواب چاہتا ہوں" عامر بن عبداللہ نے جواب دیا

رضائے الٰہی

رضائے الٰہی کے حصول کی تڑپ مردوں ہی میں نہیں مسلمان خواتین بھی
اسی جذبے سے سرشار تھیں۔ قبیلہ بنی ریاح کی ایک خاتون کا ایک غلام
تھا رفیع نام۔ اسلام میں غلام کو آزاد کرنا بہت بڑی نیکی کا کام ہے۔ خاتون
نے رفیع کو آزاد کرنے کا ارادہ کیا۔ اس کے چچیرے بھائیوں کو معلوم ہوا
تو اس سے باز رکھنا چاہا اور سمجھایا کہ اگر اسے آزاد کردو گی تو وہ کوفہ میں
جا کر مفقود الخبر ہو جائے گا۔

"میں اسے خدا کی رضا کے لئے آزاد کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے اس کی
پروا نہیں کہ وہ کہاں جاتا ہے" خاتون نے جواب دیا۔

اس کے بعد خاتون نے جمعے کے روز رفیع کو اپنے ہمراہ لیا اور کہا
"مجھے جامع مسجد میں لے چلو"

مسجد میں پہنچ کر وہ منبر کے قریب گئی۔ امام نے اس کی بات سن کر دونوں
کو منبر پر کھڑا کر دیا۔ خاتون نے رفیع کا ہاتھ پکڑ کر اعلان کیا۔

"اے خدا میں اس کو آخرت کے لئے تیرے پاس جمع کرتی ہوں۔
اور تیری رضا کے لئے اسے آزاد کرتی ہوں۔ مسجد والو! گواہ رہنا کہ یہ

غلام خدا کے لئے آزاد ہے۔ آئندہ اسلام کے حق کے علاوہ اس پر کسی کا کوئی حق نہیں"۔ یہ کہہ کر وہ خاتون منبر پر سے اتری اور رفیع کو چھوڑ کر چلی گئی۔ یہی رفیع آگے چل کر ابو العالیہ ریاحی کے نام سے مشہور ہوئے اور اپنے علم و فضل کے باعث صحابہ کے نزدیک بھی واجب الاحترام قرار پائے ابن عباسؓ ان کو قریش کے معززین سے اونچا بٹھاتے تھے۔

○

آرزو کی پاکیزگی

امیر معاویہ رضؓ کا زمانہ تھا۔ ایسا اتفاق ہوا کہ عبداللہ بن زبیر، عروہ بن زبیر، مصعب بن زبیر اور عبدالملک مسجد حرام میں جمع تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا

"آؤ خدا کے گھر میں ہم اپنی اپنی آرزو پیش کریں"

"تجویز بہت خوب ہے" سب نے بالاتفاق کہا۔

عبداللہ بن زبیر نے کہا "میری آرزو ہے کہ میں حرم کا بادشاہ ہو جاؤں اور مجھے تخت خلافت ملے"

مصعب بن زبیر نے کہا "میری تمنا ہے کہ قریش کی دو دو حسین ترین عورتیں میرے عقد میں آجائیں"

عبدالملک بولا۔ "میری آرزو ہے کہ میں کل روئے زمین کا بادشاہ ہو جاؤں۔ اور امیر معاویہ کا جانشین بنوں"۔

آخر میں عروہ نے فرمایا "مجھے تم لوگوں کی آرزوؤں میں سے کوئی آرزو پسند نہیں میں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ دنیا میں زہد اور علم اور آخرت کی کامیابی عطا فرمائے۔

خدا کی قدرت اور وقت کی بات کہ دعائیں قبول ہوئیں عبداللہ بن زبیر حرم کے بادشاہ ہوئے اور ۷ برس تک خلیفہ رہے مصعب کے عقد میں وہ دونوں عورتیں آئیں عبدالملک کو بنی امیہ کا تخت خلافت ملا اور وہ سندھ سے لے کر ہسپانیہ تک پھیلی ہوئی سلطنت کا بادشاہ ہوا اور عروہ کا شمار خاصان خدا میں ہوا۔

○

توکل علی اللہ

(۱)

حضرت عمر بن عبد العزیز کے انتقال سے قبل مسلمہ نے عرض کیا۔

"امیر المومنین آپ نے اپنی اولاد کو مال و دولت سے محروم رکھا اور اب ان کو اس حال میں چھوڑ رہے ہیں۔ کہ ان کے پاس کچھ نہیں کیا اچھا ہو کہ آپ مجھے یا خاندان کے کسی اور شخص کو وصیت فرما دیں کہ ہم آپ کے بچوں کا خیال رکھیں"۔

"مجھے ٹیک لگا کر بٹھا دو"۔ عمر بن عبد العزیز نے نحیف و کمزور آواز میں فرمایا۔

جب ٹیک لگا کر بٹھا دیا گیا۔ تو فرمایا

"مسلمہ! تم نے کہا کہ میں نے اپنی اولاد کو مال سے ہمیشہ محروم رکھا خدا کی قسم میں نے اس کا کوئی حق تلف نہیں کیا۔ البتہ جس مال میں اس کا حق نہیں تھا وہ اس کو نہیں دیا۔ پھر تم نے کہا کہ میں تمہیں یا خاندان کے کسی شخص کو وصیت کر جاؤں۔ تو سنو! اس معاملے میں میرا وصی اور ولی و کارساز صرف خدا ہے، جو نیک لوگوں کا ولی ہوتا ہے، میرے لڑکے

اگر خدا سے ڈریں گے تو خدا ان کے لئے کوئی سبیل پیدا کر دے گا۔ اور اگر وہ گناہ میں مبتلا ہونگے۔ تو میں ان کو گناہ کرنے کے لئے قوی نہ بناؤں گا"

(۲)

سلاطین اور ارباب حکومت اپنی حفاظت کے لئے سینکڑوں سپاہی پہرے پہ متعین رکھتے ہیں۔ بنی امیہ کے خلفاء کا بھی یہی شعار تھا۔ مگر حضرت عمر بن عبدالعزیز سریر آرائے خلافت ہوئے تو جہاں شان و شوکت کے دوسرے اسباب کو ختم کیا وہاں اس فضول اہتمام کو بھی اڑا دیا اور کہا "میرا محافظ خدا ہے"۔

ایک مرتبہ بعض ہوا خواہوں نے عرض کیا

"گذشتہ خلفاء کی طرح آپ بھی دیکھ بھال کر کھانا کھایا کریں اور نماز کے وقت حملے سے بچاؤ کا انتظام فرمایا کریں"۔

"جن خلفاء کا تم تذکرہ کر رہے ہو اب وہ کہاں ہیں؟" خلیفۂ راشد نے پوچھا۔

"وہ سب فوت ہو گئے" لوگوں نے جواب دیا

"اگر وہ حفاظت کے تمام ساز و سامان کے باوجود موت سے نہ بچ سکے تو اس کا کیا حاصل؟" حضرت عمر بن عبدالعزیز نے پوچھا۔

اس کے بعد اپنے خدا سے مخاطب ہو کر عرض کیا۔

"خدایا اگر میں تیرے علم میں روزِ قیامت کے علاوہ اور کسی دن سے ڈروں تو میرے خوف کو اطمینان نہ دالا"!

(۳)

عامر بن عبد اللہ ایک زاہد خلوت نشین تھے۔ مگر شوقِ جہاد سے معمور۔ عہد فاروقی میں اکثر گوشۂ عبادت سے نکل کر میدانِ جہاد میں چلے جاتے تھے۔ جب وہ خدا کی راہ میں لڑنے کے لئے جاتے اور رستے میں جھاڑیاں ملتیں تو وہ بے تکلف ان میں گھس جاتے۔ ان کے ساتھی کہتے حضرت احتیاط کیجئے۔ ایسا نہ ہو کوئی شیر کسی جھاڑی میں موجود ہو اور وہ حملہ کر دے۔ عامر جواب دیتے۔

"مجھے خدا سے شرم آتی ہے کہ اس کے علاوہ کسی اور کے خوف سے دل کو آلودہ کروں"۔

(۴)

ہجرتِ حبش کا زمانہ تھا۔ مظلوم مسلمان مشرکین کے ظلم سے تنگ آکر حبشہ کی جائے امن کا رخ کر رہے تھے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنی ذاتی وجاہت کے باوجود مامون نہیں تھے۔ ان کی تبلیغ سے حضرت طلحہ بن عبید اللہ مسلمان ہو گئے تھے اور اس کی بنا پر طلحہ کے چچا نوفل

بن خویلد نے دونوں کو ایک ساتھ باندھ کر مارا تھا چنانچہ حضرت ابوبکر نے بھی ہجرت کر جانے کی اجازت لی اور عازم حبش ہو گئے برک الغماد کے مقام پر پہنچے تو رئیس قارہ ابن الدغنہ نے پوچھا
"کہاں کا قصد ہے؟"
"میری قوم نے مجھ کو جلا وطن کر دیا مجبور ہو کر کسی دوسری سرزمین میں جا رہا ہوں کہ آزادی سے اپنے پروردگار کی عبادت کر سکوں" حضرت ابوبکر نے ابن الدغنہ کو بتایا۔
"یہ تو بڑی شرم کا مقام ہے کہ تم جیسا آدمی جلا وطن کیا جائے تم مفلس و بے نوا کی دستگیری کرتے ہو۔ مہمان نوازی تمہارا شعار ہے، قرابت داروں کا خیال رکھتے ہو اور مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو" ابن الدغنہ نے کہا۔
"یہ صحیح ہے لیکن اپنے وطن میں رہ کر اگر خدا کی عبادت نہ کر سکوں تو اپنے وطن میں رہنے کا کیا فائدہ"۔ حضرت ابوبکر نے جواب دیا۔
"تم میرے ساتھ چلو میں تم کو اپنی امان میں لیتا ہوں" ابن الدغنہ نے عالی حوصلگی سے کہا۔
حضرت ابوبکر واپس آئے۔ ابن الدغنہ نے قریش میں پھر کر اعلان

کہہ دیا کہ

"ابوبکر میری امان میں ہیں۔ تم ایسے بھلے آدمی کو جلا وطن ہونے پر مجبور کرتے ہو جو محتاجوں کی خبر گیری کرتا ہے لوگوں کے مصائب میں کام آتا ہے مہمانوں کی خدمت کرتا ہے اور قرابت داروں کا خیال رکھتا ہے؟"

قریش نے اس امان کو تسلیم کر لیا۔ مگر ان کا نمائندہ ابن الدغنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا۔

"ہم تمہاری امان کو تسلیم کرتے ہیں۔ ابوبکر کو اجازت ہے کہ وہ جب اور جس طرح جی چاہیں عبادت کریں۔ مگر یہ کام وہ اپنے گھر میں کریں۔"

حضرت ابوبکر نے اپنے گھر کے صحن میں مسجد بنالی تھی اور اسی میں عبادت کرتے تھے۔ قرآن کی آواز گھر سے باہر جاتی تھی اور سننے والے متاثر ہوتے تھے۔ کفار قریش یہ دیکھ کر گھبرائے اور ابن الدغنہ سے آکر کہا،

"ہم نے اس شرط پر امان دی تھی کہ ابوبکر چھپ کر عبادت کریں مگر وہ اپنے صحن میں قرآن پڑھتے ہیں اور ہماری عورتیں اور بچے اثر قبول کر رہے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ اس سے باز آجائیں۔"

ابن الدغنہ یہ سن کر حضرت ابوبکر کے پاس گیا اور اس نے کہا،

"تمہیں معلوم ہے میں نے اس شرط پر تمہاری حفاظت کا ذمہ لیا تھا کہ تم چھپ کر اپنے طریق پر عبادت کرو گے؟"

میں اس شرط پر قائم ہوں"۔ حضرت ابوبکر نے جواب دیا۔

"لیکن تمہاری آواز تو گھر سے باہر جاتی ہے۔ اب یا تو اس سے اجتناب کرو یا مجھے ذمہ واری سے بری سمجھو"۔ ابن الدغنہ نے کہا۔

"ابن الدغنہ مجھے تمہاری پناہ کی ضرورت نہیں۔ میرے لئے اللہ کی پناہ اور امان کافی ہے" حضرت ابوبکر نے استغنا کے ساتھ جواب دیا۔

○

تقویٰ

(۱)

امام احمد بن حنبل ابھی بچے ہی تھے۔ اور ابھی لکھنا پڑھنا سیکھا ہی تھا کہ محلے کی عورتیں ان کو بلا کر ان سے اپنے خاوندوں کو خطوط لکھواتی تھیں۔ ان عورتوں کے خاوند فوجی مہموں کے سلسلے میں بغداد سے باہر گئے ہوتے تھے۔ ان کی بیویاں اپنے خطوط میں ہر قسم کی باتیں لکھوانا چاہتی تھیں لیکن احمد بن حنبل کا احساس تقویٰ ابتدا ہی سے اتنا اجاگر تھا کہ وہ خطوں میں کوئی بات خلاف تقویٰ نہ لکھتے۔

(۲)

یزید بن مہلب والی خراسان کو ایک جامع الصفات شخص کی ضرورت تھی اس نے لوگوں سے ایسے آدمی کو دریافت کیا۔ لوگوں نے ابو بردہ کا نام لیا جو حضرت ابو موسیٰ اشعری کے بیٹے اور بڑے صاحب کمال بزرگ تھے یزید نے ان کو بلایا۔ باتیں کیں اور فی الواقع خصائل حسنہ کا مجموعہ پایا اور کہا۔ "میں آپ کو چند عہدوں پر مامور کرنا چاہتا ہوں" اور ان عہدوں کی تفصیل بتائی۔

"میں اس خدمت سے معذرت چاہتا ہوں"۔ ابوبردہ نے جواب دیا۔

"نہیں آپ کو یہ خدمت قبول کرنی ہوگی" یزید نے اصرار سے کہا۔

"میرے والد ابوموسیٰ اشعری نے مجھ سے بیان کیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جس شخص نے کوئی ایسا عہدہ قبول کیا جس کے متعلق وہ خود جانتا ہے کہ وہ اس کا اہل نہیں۔ تو اس کو چاہیئے کہ دوزخ کو اپنا ٹھکانا بنا لے"

یہ سن کر یزید مجبور ہو گیا۔ اور ان کی معذرت قبول کر لی۔

دل کی اہمیت

اسلامی زندگی میں دل کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، اسی پر پوری زندگی کی بنیاد ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کے دل دیکھے تو ان میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو سب سے بہترین پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اپنے بندوں کے دل دیکھے تو آپؐ کے صحابہ کے دلوں کو بہترین پایا۔ اس لئے ان کو آپؐ کا وزیر رفیق بنایا جو اللہ کے دین کی حفاظت کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔

○

عفو و درگذر

حضرت ربیع بن خیثم جو بصرہ کے جلیل القدر تابعی اور عالم تھے ایک مرتبہ مسجد گئے۔ نمازیوں کا ہجوم بہت زیادہ تھا۔ سبب جماعت کھڑی ہونے لگی اور لوگ آگے بڑھے تو ایک شخص نے جو ان کے پیچھے تھا ان سے کہا آگے بڑھو۔ لیکن لوگوں کی کثرت سے آگے بڑھنے کی جگہ نہ تھی۔ وہ آگے نہ بڑھ سکے اس شخص نے غصے میں آکر ان کی گردن میں ٹھوکا دیا۔ انہوں نے گردن موڑ کر صرف اس قدر کہا خدا تم پر رحم کرے۔ خدا تم پر رحم کرے۔ اس شخص نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو ربیع تھے وہ فرط ندامت سے رونے لگا۔

ابن سعد ج ۶ ص ۱۲۷

(۲)

حضرت عبد اللہ بن عون کوفہ کے اکابر علماء میں تھے۔ اسلامی اخلاق کا پاکیزہ نمونہ تھے۔ زبان پر ان کو اتنا قابو تھا کہ اپنے لونڈی غلام بلکہ کبھی اور مرغی تک کو گالی نہیں دیتے تھے۔ ہر سچے مسلمان کی طرح جہاد کا شوق رکھتے تھے۔ اس کے لئے ایک اونٹنی پال رکھی تھی جس کو بہت

محبوب رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک غلام کو حکم دیا کہ اس پر پانی لاد کر لائے۔ اس ظالم نے اسے اس قدر بے دردی سے مارا کہ اس کی ایک آنکھ بہ گئی۔ یہ ایک ایسا حادثہ تھا جس پر لوگوں کو گمان ہوا کہ ان کو غصہ آئے گا۔ لیکن جب عبداللہ نے اونٹنی کو دیکھا تو غلام سے صرف اس قدر کہا

"سبحان اللہ، خدا تم کو برکت دے۔ مارنے کے لئے تمہیں چہرے کے علاوہ اور کوئی عضو نہ ملتا تھا۔"

اس کے بعد اس کو گھر سے نکال کر آزاد کر دیا۔

عفو و حلم

(۱)

حضرت علی بن حسین بن علی رضی اللہ عنہم جو امام زین العابدین کے نام سے معروف ہیں، ایک روز مسجد سے نکلے اثنائے راہ میں ایک شخص ملا اور بے تحاشا گالیاں دینے لگا:

آپ کے غلام اور خدام اس کی طرف لپکے کہ اس بد تمیزی کی سزا دیں آپ نے روک دیا اور اس شخص سے مخاطب ہو کر کہا

"میرے جو حالات تم سے مخفی ہیں وہ اس سے بہت زیادہ ہیں۔ اگر تمہاری کوئی ضرورت ایسی ہو جسے میں پوری کر سکتا ہوں تو بتاؤ"

گالیاں دینے والا شخص یہ سن کر سخت شرمندہ ہوا۔ امام نے اپنا کرتا اتار کر دے دیا اور ایک ہزار درہم نقد عطا فرمائے۔ اس حسن انتقام کا یہ اثر ہوا کہ وہ شخص بندہ بے دام بن گیا اور پکار اٹھا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ وسلم کی اولاد سے ہیں"

۲

ایک مرتبہ ایک شخص نے امام موصوف کو اطلاع دی کہ فلاں شخص

آپ کو برا بھلا کہتا ہے ۔ آپ خبر دینے والے کو ہمراہ لے کر اس شخص کے پاس پہنچے ۔ خبر دینے والا یہ سمجھتا تھا کہ آپ نے اس کو اپنی مدد کے لئے ہمراہ لیا ہے مگر وہاں پہنچ کر آپ نے اس شخص سے فرمایا تم نے میرے بارے میں جو کچھ کہا ہے اگر صحیح ہے تو خدا میری مغفرت فرمائے اور اگر جھوٹ ہے تو خدا تمہاری مغفرت فرمائے ۔ یہ کہہ کر واپس چلے آئے ۔

○

صبر و تحمل

حضرت عروہ بن زبیر عبد الملک کے پاس شام گئے ہوئے تھے۔
ایک روز وہ اپنے لڑکے کو ہمراہ لے کر شاہی اصطبل دیکھنے گئے۔ لڑکا
ایک گھوڑے پہ سوار ہوا جس نے اسے ٹاپ دیا اور اس کے صدمے
سے وہ جاں بحق ہو گیا۔

اس کے بعد ہی عروہ کے پاؤں میں ایک نہایت زہریلا پھوڑا ہو گیا
اطباء نے کہا "پاؤں کاٹ دینا چاہیئے ورنہ زہر سارے جسم میں پھیل کر
ہلاکت کا باعث ہو گا"

حضرت عروہ نے اپنا پاؤں کٹوانے کے لئے بڑھا دیا۔

طبیب نے کہا "تھوڑی سی شراب پی لیجئے تاکہ تکلیف کا احساس
کم ہو"

"جس مرض میں مجھ کو صحت کی امید بھی ہو۔ میں اس میں بھی حرام شئے
سے مدد نہیں لوں گا" حضرت عروہ نے جواب دیا۔

"تو پھر کوئی بے ہوش کر دینے والی دوا ہی استعمال کر لیجئے"۔ طبیب
نے مشورہ دیا۔

صاحب میں یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میرے جسم کا ایک عضو کاٹا جائے
اور میں اس کی تکلیف محسوس نہ کروں"۔

جب پاؤں کاٹنے لگے تو چند آدمی سنبھالنے کے لئے آئے۔ حضرت
عروہ نے پوچھا

"تمہارا کیا کام ہے؟"

تکلیف کی شدت میں صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔ اس لئے
آپ کو سنبھالنے کے لئے آئے ہیں" انہوں نے جواب دیا

حضرت عروہ نے فرمایا۔ "انشاء اللہ مجھے تمہاری امداد کی ضرورت
نہیں ہوگی"۔

طبیب نے اوزاروں سے پاؤں کاٹ دیا۔ حضرت عروہ نہایت
استقلال کے ساتھ بیٹھے رہے۔ اور زبان تسبیح و تہلیل میں مشغول تھی
جب خون بند کرنے کے لئے زخم کو داغا گیا تو درد کی شدت سے بیہوش
ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو کٹا ہوا پاؤں منگا کر دیکھا اور الٹ پلٹ
کر اس سے فرمایا۔

"اس ذات کی قسم جس نے تجھ سے میرا بوجھ اٹھوایا۔ اس کو خوب
معلوم ہے کہ میں تیرے ساتھ کسی حرام راستے پر گامزن نہیں ہوا"
بیٹے کے انتقال اور پاؤں کے کٹنے کی مصیبت پر بھی اللہ کا شکر کرتے

اور کہتے۔

"اللہ تیرا شکر ہے، کہ میرے چار ہاتھ پاؤں میں سے تو نے ایک ہی لیا اور تین باقی رکھے۔ اور چار بیٹوں میں سے ایک ہی لیا اور تین باقی رکھے۔ اگر تو نے کچھ لیا ہے تو بہت کچھ باقی رکھا ہے۔ اگر کچھ مصیبت میں مبتلا کیا ہے تو بہت دنوں عافیت میں بھی رکھ چکا ہے۔"

○

اصلاح نفس

حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پہ چڑھے اور صرف اتنا کہ کر اتر آئے

"ایک دن وہ تھا کہ میں اپنی خالہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا اور وہ اس کے عوض میں مٹھی بھر کھجور دے دیا کرتی تھیں اور آج میرا یہ زمانہ ہے"

ان کے دوستوں کو تعجب ہوا کہ امیر المومنین نے ایسا کیوں کہا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے پوچھ ہی لیا کہ: "امیر المومنین۔ اس طرح تو آپ نے اپنی تنقیص کی اور خود کو لوگوں کی نظروں میں حقیر کیا"

"نہیں! بلکہ قصہ یہ ہے کہ تنہائی میں میرے دل نے کہا تم امیر المومنین ہو تم سے افضل کون ہو سکتا ہے میں نے چاہا کہ اس کو اس کی حقیقت بتا دوں! تاکہ اس کو پھر اس قسم کا خیال بھی نہ آئے" امیر المومنین نے فرمایا۔

○

انکسار

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حضرت رجاء بن حیان جو شام کے ایک ممتاز عالم و فقیہ و محدث بزرگ تھے۔ تشریف فرما تھے۔ گفتگو میں رات زیادہ ہو گئی اور چراغ جھلملانے لگا، ملازم پاس ہی سو رہا تھا۔ رجاء نے کہا۔

"نوکر کو جگا دوں کہ اٹھ کر چراغ میں تیل ڈال دے"

"نہیں اسے سونے دو دن بھر کا تھکا ہوا ہے" امیرالمومنین نے فرمایا

رجاء خود اٹھنے لگے، امیرالمومنین نے ان کو بھی روک دیا اور فرمایا

"آپ مہمان ہیں۔ مہمان سے کام لینا مروت کے خلاف ہے"۔

پھر خود اٹھے زیتون کا تیل لیا چراغ میں ڈالا اور پلٹ کر فرمایا

"جب میں اٹھا تھا اس وقت بھی عمر بن عبدالعزیز تھا اور اب بھی عمر بن عبدالعزیز ہوں"۔

شہرت سے پرہیز

حضرت ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی - ایک مشہور تابعی تھے اپنے علم زہد اور عبادت کی وجہ سے مرجع خلائق تھے. مگر ان کو شہرت سے سخت نفرت تھی، لوگوں کی نظروں سے بچنے کے لئے عام اور مالوف رستوں کو چھوڑ کر، نا مانوس اور دور دراز رستوں سے نکلتے تاہم جب کسی کا سامنا ہو جاتا تو خود پیش قدمی کر کے سلام کرتے۔لوگ ان کے سلام کے جواب میں بہت کچھ اضافہ کرتے۔اس پہ اپنے خدا کو مخاطب کر کے عرض کرتے۔ "الہی تجھ کو خوب معلوم ہے کہ میری یہ خواہش نہیں ہے۔" اور اسی جملے کو کئی مرتبہ دہراتے۔

○

مساوات

(۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دو صاحبزادے عبداللہ اور عبید اللہ ایک مہم میں عراق گئے تھے۔ مہم سے فارغ ہو کر بصرہ آئے جہاں حضرت ابو موسیٰ اشعری گورنر تھے۔ انہوں نے اپنے دوست کے بیٹوں کا خیر مقدم کیا اور خوب خاطر مدارات کی جب مدینہ روانہ ہونے لگے تو حضرت ابو موسیٰؓ نے کہا "بھتیجو! میرے پاس صدقے کا کچھ مال ہے جس کو امیر المومنین کی خدمت میں بھیجنا ہے' یہ مال آپ لے لیں اور سامان تجارت خریدلیں اور مدینہ جاکر فروخت کر دیں اور جو نفع حاصل ہو اپنے لئے رکھ لیں اور اصل مال امیر المومنین کو دے دیں"۔

"ایسا نہ ہو امیر المومنین خفا ہوں" دونوں نے جواب دیا

"میں امیر المومنین کو اطلاع دے دیتا ہوں۔ گورنر بصرہ نے کہا

مدینہ آکر سامان تجارت فروخت کیا گیا اور اس سے خاصہ نفع حاصل ہوا۔ حسب ہدایت وہ اصل مال لے کر امیر المومنین کی خدمت میں پہنچے اور عرض کیا کہ "اباجان یہ اصل مال ہے اور یہ ہمارا منافع"

"لیکن یہ بتاؤ کہ ابو موسیٰ نے کل فوج کے ساتھ یہی معاملہ کیا ہے" امیر المومنین نے پوچھا۔

"نہیں ابا جان" بیٹوں نے عرض کیا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرے بیٹے سمجھ کر تمہارے ساتھ یہ رعایت کی ہے" امیر المومنین نے فرمایا

"جی ہاں"

"تو اصل رقم اور منافعہ دونوں بیت المال میں داخل کرو" امیر المومنین نے حکم دیا۔

۲

حضرت عمر بن عبد العزیز گرمیوں کی ایک دوپہر میں آرام کر رہے تھے اور ایک لونڈی پنکھا جھل رہی تھی۔ پنکھا جھلتے جھلتے اس کی آنکھ لگ گئی۔ تو پنکھا لے کر لونڈی کو جھلنے لگے۔ اس کی آنکھ کھلی تو گھبرا کر چلائی

"امیر المومنین یہ آپ کیا کر رہے ہیں"۔

"میری طرح تم بھی انسان ہو۔ تم کو بھی گرمی لگتی ہے۔ جس طرح تم مجھے پنکھا جھل رہی تھیں اگر میں نے بھی جھل دیا تو مضائقے کی کیا بات ہے" امیر المومنین نے لونڈی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔

۳

سلاطین وامراء کا قاعدہ ہے کہ جب وہ کہیں جاتے ہیں، تو نقیب اور چوبدار ان کے آگے آگے علم لے کر چلتے ہیں۔ بنی امیہ کے خلفاء نے بھی یہی غیر اسلامی تفوق کا قاعدہ جاری کر رکھا تھا۔ پھر انہوں نے یہ رسم بھی جاری کردی تھی کہ نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح درود و سلام بھیجا جاتا تھا۔

حضرت عبد العزیز کا دور حکومت آیا تو کوتوال نے حسب دستور نیزہ لے کر آپ کے آگے آگے چلنا چاہا، آپ نے اسے روک دیا اور فرمایا۔ میں مسلمانوں کا ایک معمولی فرد ہوں۔

سلام کے بارے میں بھی ہدایت کر دی کہ عام سلام کیا جائے، عمال کو فرمان لکھا کہ پیشہ ور واعظ خلفاء پر درود و سلام بھیجتے ہیں، ان کو اس فعل سے روک دو اور ان کو ہدایت کر دو کہ وہ عام مسلمانوں کے لئے دعا کریں، مخصوص طور پر میرے لئے کوئی دعا نہ کریں، بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے دعا کریں اگر میں ان میں ہوں گا میں بھی دعا میں شامل ہو جاؤں گا۔

۴

ایک دفعہ مسلمہ بن عبد الملک ایک مقدمے میں فریق کی حیثیت سے حضرت عمر بن عبد العزیز کے اجلاس میں پیش ہوا۔ اور چونکہ شاہی خاندان

سے تھا اس لئے دربار ی فرش پر جا بیٹھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا

اپنے فریق مقدمہ کی موجودگی میں تم فرش پر نہیں بیٹھ سکتے یا عام لوگوں کے برابر بیٹھو یا کسی دوسرے کو اپنا وکیل مقرر کردو۔

۵

حضرت علی بن حسین بن علیؓ۔ امام زین العابدین خالص فاطمی سید تھے۔ مگر غرور نسب کو عملاً مٹانے کے لئے انہوں نے اپنی ایک لڑکی کی شادی ایک غلام سے کر دی تھی، اور ایک لونڈی کو آزاد کر کے اس کے ساتھ خود نکاح کر لیا تھا۔ خلیفہ عبدالملک کو معلوم ہوا تو اس نے خط لکھ کر اس فعل پر ملامت کی، امام نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ ہمارے لئے نمونہ ہے آپ نے صفیہ بنت حی کو جو لونڈی تھیں آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا تھا اور اپنے غلام زید بن حارث کو آزاد کر کے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کو ان کے نکاح میں دے دیا تھا۔ ہم اور تم رسول اللہ سے زیادہ معزز نہیں ہیں۔"

انفاق فی سبیل اللہ

۹ھ میں قیصر روم نے مسلمانوں کو مرعوب اور اپنی سلطنت میں اپنا رعب و وقار قائم کرنے کے لئے افواہ اڑادی کہ وہ عرب پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ حالات سخت نازک تھے۔ موسم سخت گرمی کا تھا پھل پک چکے تھے اور مسلمان جو مسلسل جنگوں کے باعث عسرت و تنگ حالی میں مبتلا تھے، امن کے طلب گار تھے۔ لیکن جب عین قلب اسلام پر حملے کا اندیشہ پیدا ہوا تو وہ کمر ہمت کس کر کھڑے ہو گئے اور تیس ہزار سر فروش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ سپہ سالار اسلام نے حکم دیا کہ عرب و روم کی سرحد پر جاکر دشمن کا مقابلہ کیا جائے گا۔

اتنے بڑے لشکر اور اتنی طویل مسافت کے لئے عظیم الشان تیاریوں کی ضرورت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اللہ کی راہ میں اپنا مال صرف کرنے کی بھی تلقین فرمائی۔ کہ جانیں تو وہ پہلے ہی حوالے کر چکے تھے۔ اس موقع پر مسلمانوں نے بڑھ بڑھ کر انفاق فی سبیل اللہ میں حصہ لیا لیکن حضرت ابو بکرؓ نے ایک ایسی مثال پیش کی جس کی نظیر تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔

وہ اپنے گھر کا کل اثاثہ لے کر خدمت نبویؐ میں پہنچ گئے۔ رحمت عالم
صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا
"ابوبکرؓ! اپنے اہل وعیال کے کیا چھوڑا؟"
"اللہ اور اس کا رسولؐ" پیکر ایثار وفدویت نے جواب دیا۔

○

انفاق

آبرو انسان کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتی ہے۔ مگر اسلام میں رضائے الٰہی کے سامنے دنیا کی کسی عزیز سے عزیز متاع کی بھی کوئی حیثیت نہیں۔ ۵ ھ میں جب واقعہ افک پیش آیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک عزیز مسطح بن اثاثہ بھی منافقین کی مفسدہ پردازی کا شکار ہو گیا۔ حضرت ابوبکر مسطح کی کفالت فرماتے تھے۔ جب اللہ تعالےٰ کی طرف سے حضرت عائشہ کی برأت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مسطح کی کفالت سے دستبردار ہو گئے اور فرمایا

"میں اس فتنہ پردازی اور تہمت طرازی کے بعد اس کی کفالت نہیں کر سکتا"

لیکن اس کے بعد ہی معاً یہ آیات نازل ہو گئیں۔

وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَۃِ اَنْ یُّؤْتُوْا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ (نور)

رتم میں جو لوگ بزرگی اور مقدرت رکھتے ہیں وہ اپنے رشتہ داروں،
مسکینوں اور اللہ کی راہ میں گھر چھوڑنے والوں کو مدد دینے کی قسم نہ کھائیں
انہیں چاہیئے کہ معاف کر دیں اور در گذر کریں۔ کیا تم نہیں چاہتے کہ
اللہ بھی تمہیں بخش دے۔ اور اللہ غفور و رحیم ہے)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمان الٰہی سنا تو فوراً مسطح کا سارا
قصور معاف کر دیا اور کہا "خدا کی قسم میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے بخش
دے" اور مسطح کا وظیفہ پھر جاری کر دیا۔

فیض کے اسباب بتانا

مسلمان مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے یثرب کی اجنبی بستی میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ جواب مدینۃ الرسول کے نام سے مشرف ہو کر مسلمانوں کی پناہ گاہ بن گئی تھی۔ آبادی کے بڑھ جانے کے باعث پانی کی سخت تکلیف ہو گئی تھی۔ کیونکہ شہر بھر میں صرف ایک کنوآں بیر رومہ تھا۔ جس کا پانی پینے کے لائق تھا۔ اور اس کا مالک ایک یہودی جو اس کا پانی فروخت کرتا تھا۔

نبیم کوثر صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے کہا پانی کی تکلیف کو دور کرنے کے لئے کون بیر رومہ کو خرید کر وقف کرتا ہے" یارسول اللہ میں اس خدمت کے لئے حاضر ہوں"۔ حضرت عثمان نے عرض کیا۔

بیر رومہ کے مالک یہودی سے حضرت عثمان نے خرید و فروخت کی کی گفتگو کی تو اس بخیل نے کہا کہ

"میں صرف نصف کنوآں فروخت کر سکتا ہوں۔ ایک دن تمہاری باری ہو گی۔ دوسرے دن کنوآں میرے لئے مخصوص رہے گا۔ اور اس کے لئے میں ۱۲ ہزار درہم بطور قیمت لوں گا"۔

حضرت عثمان نے بدرجۂ مجبوری یہ شرط منظور کر لی۔ اور اس اشکال کا حل یہ نکالا گیا کہ مسلمان حضرت عثمان کی باری کے روز اتنا پانی بھر کر رکھ لیتے تھے کہ دو دن کے لئے کافی ہوتا تھا۔ جب یہودی نے دیکھا کہ اس نے نفع اندوزی کا جو ڈھب نکالا تھا ناکام ہو گیا تو اس نے حضرت عثمانؓ سے کہا "کنوئیں کا باقی نصف بھی خرید لیجئے"

۸ ہزار درہم میں یہ نصف بھی انہوں نے خرید لیا اور بندگان خدا کی سیرابی کا انتظام کر کے اپنے لئے حوض کوثر سے سیراب ہونے کا انتظام کر لیا۔

○

سخاوت

(۱)

حضرت صفوان بن سلیم زہری ایک شب مسجد سے نکلے ۔ موسم سخت سردی کا تھا ۔ مسجد کے باہر ایک آدمی کو دیکھا کہ ننگے بدن سردی میں ٹھٹھر رہا ہے ۔ انہوں نے اسی وقت اپنے جسم کے کپڑے اتار کر دے دیئے

(۲)

حضرت عروہ بن زبیر کے کھجوروں کے باغات تھے ۔ جب کھجوروں کی فصل آتی اور وہ پک کر تیار ہوتیں تو باغ کی دیوار تڑوا دیتے اور صلائے عام ہو جاتی ۔ کہ لوگ آئیں اور کھائیں اور باندھ باندھ کر ساتھ لے جائیں ۔

(۳)

حضرت زین العابدین رض کا انتقال ہوا اور ان کو غسل دیا جانے لگا تو ان کے جسم پر نیل کے داغ نظر آئے تحقیق کی گئی تو معلوم ہوا کہ بایں جلالت قدر آپ راتوں کو اپنی پیٹھ پر آٹے کی بوریاں لاد کر غریبوں کے گھر لے جایا کرتے تھے اور یہ اس کے داغ تھے ۔

جب کوئی سائل آتا تو امام موصوف فرماتے

"میرے توشے کو آخرت کی طرف لے جانے والے مرحبا"
اور خود اٹھ کر سائل کو دیتے۔ فرمایا کرتے تھے۔
"صدقات سائل کے ہاتھ میں جانے سے پہلے خدا کے ہاتھ میں جاتے ہیں"
اپنی زندگی میں دو مرتبہ اپنے کل مال و متاع کا آدھا آدھا خدا کی راہ میں دے دیا تھا۔

○

ایثار و قربانی

باغیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا اور ان سے مطالبہ کر رہے تھے کہ وہ منصب خلافت سے الگ ہو جائیں لیکن حضرت عثمان اس وصیت کی بنا پر جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی ۔ ان کا مطالبہ نہیں مانتے تھے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ اللہ تمہیں ایک قمیص پہنائے گا ۔ اگر لوگ تجھ سے کہیں کہ اس قمیص کو اتار ڈال تو ان کی اس خواہش پہ قمیص نہ اتار ڈالنا ۔ حضرت عثمان جانتے تھے کہ خلافت یہ قمیص ہے ۔ بالاخر انہوں نے باہم مشورہ کیا کہ حضرت عثمان کو قتل کر دیا جائے ۔ حضرت عثمان اپنے مکان میں محصور تھے انہوں نے اپنے کانوں سے اس مشورے کو سنا اور مفسدوں کے مجمعے کے سامنے آکر فرمایا

"لوگو! آخر تم میرے خون کے پیاسے کیوں ہوئے ہو ۔ اسلام کے قانون میں صرف تین صورتیں ہیں جن میں ایک مسلمان کا قتل جائز ہے ۔

(۱) اس نے بدکاری کی ہو ۔ تو اس کو سنگسار کیا جائے گا ۔

(۲) اس نے کسی شخص کو بالارادہ قتل کیا ہو تو وہ قصاص میں مارا جائے گا ۔

(۳) وہ مرتد ہو گیا ہو تو وہ قتل کیا جائے گا۔

میں نے نہ جاہلیت میں بدکاری کی نہ اسلام میں کی۔ نہ میں نے کسی کو قتل کیا اور نہ اسلام لانے کے بعد مرتد ہو گیا۔ میں اب بھی گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے۔ محمدؐ اس کے بندہ اور رسول ہیں"۔

باغیوں نے ان دلیلوں کو تسلیم کیا مگر اپنے ارادے سے باز نہ آئے

اسی دوران میں مغیرہ بن شعبہ آئے اور کہا

"امیر المومنین تین باتوں میں سے کسی ایک بات کو قبول کر لیجئے تاکہ فتنہ ختم ہو"۔

"کہیے" حضرت عثمان نے فرمایا

امیر المومنین آپ کے جاں نثاروں اور حامیوں کی ایک بڑی تعداد یہاں موجود ہے۔ اس کو لے کر نکلیئے اور باغیوں کا مقابلہ کر کے ان کو نکال دیجئے" مغیرہ نے عرض کیا "آپ حق پر ہیں اور باغی باطل پر۔ اہل مدینہ حق کا ساتھ دیں گے" مغیرہ نے کہا۔

"تم درست کہتے ہو۔ مگر میں باہر نکل کر اور جنگ کر کے وہ پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا جو امت محمدیؐ کی خونریزی کرے" حضرت عثمان نے بے نیازی مگر حزم کے ساتھ فرمایا۔

"اگر آپ جنگ کے لئے تیار نہیں تو دوسری طرف سے دیوار توڑ کر

باہر نکلئے اور سواریوں پر بیٹھ کر مکہ معظمہ تشریف لے جائیے حرم میں یہ لوگ لڑ نہیں سکیں گے" مغیرہ نے عرض کیا۔

"مجھے یہ بات بھی منظور نہیں۔ اگر میں مکہ معظمہ بھی چلا گیا تو مجھے توقع نہیں کہ یہ لوگ حرم الٰہی کی توہین سے باز آجائیں گے اور جنگ نہیں کریں گے جو لوگ میری جان کے درپے ہیں ان سے حرم کے احترام کی کیا توقع میرے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ مسلمانوں کا ایک خلیفہ ہوگا جو مکہ جاکر حرم کی بے حرمتی کا باعث ہوگا۔ مغیرہ میں اس پیشگوئی کا مصداق نہیں بننا چاہتا" حضرت عثمان نے فرمایا۔

"تو امیر المومنین! پھر تیسری صورت یہ ہے کہ یہاں سے نکل کر شام چلے جائیے وہاں معاویہ موجود ہیں۔ ادھر کا رخ کرنے کی ہمت بھی باغیوں کو نہیں ہو گی۔" مغیرہ نے بے بسی کے ساتھ عرض کیا۔

لیکن مغیرہ مجھے یہ صورت بھی منظور نہیں۔ میں اپنے ہجرت کے گھر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس کو نہیں چھوڑ سکتا" حضرت عثمان نے فرمایا

مغیرہ مایوس اور لاجواب ہو کر چلے گئے۔

(۴)

حضرت عثمان کو باغیوں کی یورش سے بچانے کے لئے حضرت

عبداللہ بن زبیر کی سرکردگی میں سات سو سرفروش اور جاں نثار امیر المومنین کے وسیع مکان میں موجود تھے۔ عبداللہ بن زبیر شجاعت و بسالت میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔

"امیر المومنین! اس وقت گھر کے اندر ہماری خاصی جمعیت موجود ہے۔ آپ کا اشارہ ہو تو ہم ان باغیوں کو تلوار کی نوک پر رکھ لیں"۔

"عبداللہ۔ اگر تم میں سے کسی ایک کا بھی ارادہ ہو تو میں اس کو خدا کا واسطہ دے کر کہتا ہوں کہ وہ میرے لئے اپنا خون نہ بہائے" امیر المومنین نے حکم دیا۔

عبداللہ مایوس ہو کر گئے تو حضرت زیدؓ بن ثابت آئے اور کہا

"امیر المومنین! انصار دروازے پر کھڑے اجازت چاہتے ہیں کہ جس طرح انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے تیغ کے جوہر دکھائے تھے۔ امیر المومنین کی طرف سے حق نصرت ادا کریں"۔

"زید اگر لڑائی مقصود ہے تو میں اس کی اجازت نہیں دوں گا۔ اس وقت میرا سب سے بڑا حق نصرت یہ ہے کہ میری حمائت و مدافعت میں کوئی شخص تلوار نہ اٹھائے" حضرت عثمان نے جواب دیا۔

پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آئے اور جنگ کی اجازت طلب

کی۔ حضرت عثمان نے فرمایا۔

"ابوہریرہ! کیا تم اس کو پسند کرو گے کہ ساری دنیا کو اور ساتھ ہی مجھ کو بھی قتل کر دو؟"

"ہرگز نہیں امیرالمومنین" ابوہریرہ نے کہا۔

تو سنو! "ارشاد الٰہی ہے کہ جس نے ایک شخص کو قتل کیا اس نے گویا سب انسانوں کو قتل کر دیا" اگر تم نے ایک کو بھی قتل کیا تو گویا سب قتل ہو گئے تم میری فکر نہ کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دو مرتبہ خبر دے چکے ہیں۔ میری شہادت مقدر ہو چکی ہے اور حسب ارشاد صبر کروں گا

جمعہ کے روز صبح کو اٹھے تو اپنی اہلیہ محترمہ سے فرمایا۔

"میری شہادت کا وقت آ گیا۔ آج باغی مجھے قتل کریں گے"

"نہیں نہیں امیرالمومنین ایسا کبھی نہیں ہو سکتا"۔ اہلیہ محترمہ نے آزردگی کے ساتھ کہا۔

"بی بی۔ میں آج خواب دیکھ چکا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و عمرؓ تشریف لائے ہیں اور فرما رہے ہیں عثمان جلدی کرو۔ تمہارے افطار کے ہم منتظر ہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عثمان آج جمعہ میرے ساتھ پڑھنا اس لئے بس آج روانگی ہے"

حضرت عثمان نے صبر و تحمل اور سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔

اس کے بعد نیا پاجامہ منگا کر پہنا۔ اپنے بیس غلاموں کو آزاد کر دیا اور قرآن مجید کھول کر تلاوت میں مصروف ہو گئے۔

باغیوں نے مکان پر حملہ کر دیا، چار باغی دیوار پھاند کر چھت پر چڑھ گئے جہاں حضرت عثمان مصروف تلاوت تھے۔ اور ان کو شہید کر دیا، خلیفۂ مظلوم نے اپنی مدافعت میں ہاتھ تک نہ اٹھایا۔ زخم کھا کر گرے تو زبان سے صرف یہ الفاظ نکلے "بسم اللہ توکلت علی اللہ"۔ یہ پہلا خون تھا جو ملت کی تاریخ میں مسلمانوں نے مسلمان کا بہایا۔ اور خونریزی کا سلسلہ چلا تو آج تک بند نہیں ہوا۔ تاہم حضرت عثمان نے خانہ جنگی کو روکنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی تھی۔

○

ایثار

حجاج ثقفی حضرت ابراہیم نخعی تابعی کا سخت دشمن تھا اور ان کو آزار پہنچانے کی تلاش میں رہتا تھا۔ مگر وہ ہاتھ نہیں آتے تھے۔ بالآخر اس نے اپنے آدمی مقرر کئے کہ ان کو گرفتار کر لائیں حضرت ابراہیم بن یزید تیمی کو معلوم ہوا تو انہوں نے ابراہیم نخعی کی بجائے خود کو پیش کر دیا اور کہا کہ میں ہوں ابراہیم" سرکاری آدمی ابراہیم نخعی کو نہیں پہچانتے تھے۔ اور ابراہیم تیمی کو پکڑ کر لے گئے۔ حجاج نے حکم دیا کہ ان کو زنجیروں میں جکڑ کر دیماس کے قید خانے میں ڈال دیا جائے۔ یہ قید خانہ ایک عذاب خانہ تھا۔ اس میں سردی گرمی دھوپ اور پانی سے بچنے کا کوئی انتظام نہ تھا جو قیدی اس میں داخل ہوا مر کر ہی نکلا"

اس قید پر محن نے چند ہی روز میں ان کا رنگ روپ اس طرح بدل دیا کہ ان کی ماں بھی ان کو نہ پہچان سکی۔ لیکن ابراہیم تیمی صبر و استقلال کے ساتھ تمام مصائب کا مقابلہ کرتے رہے اور حجاج کو یہ نہ بتایا کہ وہ ابراہیم نخعی نہیں ہیں۔ بالآخر اسی حالت میں انتقال کیا۔ اور ایثار و قربانی کی ایک بے نظیر مثال قائم کر گئے۔

جس شب میں ان کا انتقال ہوا۔ حجاج نے خواب میں دیکھا کہ ایک جنتی مر گیا۔ صبح کو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ ابراہیم نے قید خانے میں جان دی ؛

○

فرض شناسی

ہرم بن حیان عبدی کو حضرت عمرؓ نے کوئی عہدہ سپرد کر دیا تھا۔ سرکاری عہدہ داروں کی سب سے بڑی آزمائش کا باعث ان کے اعزہ و احباب ہوتے ہیں جو ان سے مختلف قسم کے فوائد حاصل کرتے ہیں۔ ہرم بن حیان نے عہدے پر فائز ہونے کے بعد اپنے مکان کے سامنے اس طرح آگ جلوادی کہ ان تک کوئی شخص نہ پہنچ سکے

ان کے احباب و اعزہ حسب توقع آئے۔ مگر درمیان میں آگ حائل تھی، وہ دور سے سلام کر کے کھڑے ہو گئے۔ ہرم نے کہا "آیئے آیئے تشریف لایئے، اہلاً و سہلاً"۔

"ہم کس طرح آئیں ہمارے اور آپ کے درمیان تو آگ حائل ہے"

"تم اتنی سی آگ عبور نہیں کر سکتے اور مجھ کو دوزخ کی آگ میں جھونکنا چاہتے ہو"۔ ہرم نے ان کی عبرت کے لئے جواب دیا

لوگ بات کو پا گئے۔ اور واپس چلے گئے۔

فراست و حسن تدبیر

مومن مکار اور فریبی نہیں ہوتا، مگر فراست و حسن تدبیر اس کے اخلاق و سیرت کا ایک ضروری حصہ ہے۔ حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے یثرب کو ہجرت فرمائی اور حضرت ابوبکر کو ہمراہ لے کر شب کی تاریکی میں نکل گئے تو چند روز تک غار ثور میں پناہ گزین رہے تاکہ تلاش و جستجو کا ہنگامہ فرد ہو جائے اور وہ اطمینان کے ساتھ سفر کا آغاز کریں۔

لیکن ضروری تھا کہ غار ثور میں جو مکہ معظمہ سے چند میل کے فاصلے پر تھا۔ روز روز کی خبریں اور مشرکین کی سرگرمیوں کا علم ہوتا رہے۔ اس غرض کے لئے حضرت ابوبکرؓ نے اپنے صاحبزادہ عبداللہ کو ہدایت کر دی تھی کہ دن بھر مکہ میں جو حالات پیش آئیں سب کی اطلاع حاصل کرو، اور رات کو ہمارے پاس آ کر آگاہ کرو۔

اس میں اس امر کا اندیشہ تھا کہ عبداللہ کے نشانات، قدم کو صبح کے وقت مشرکین مکہ دیکھ لیں گے اور راز فاش ہو جائے گا۔ لہٰذا ابوبکرؓ نے یہ تدبیر کی تھی کہ ان کا غلام عامر بن فہیرہ دن کو چراگاہ میں

بکریاں چراتا تھا رات کے وقت غار کے پاس لے آتا تھا۔ بکریوں کا تازہ دودھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کو پلاتا تھا اور صبح کو بکریاں اس طرح ہانک کر لے جاتا تھا کہ بکریاں عبداللہ کے نقوش قدم کو مٹاتی ہوئی چلی جائیں۔ تین رات یہ کارروائی ہوئی اور اس خوبی کے ساتھ کہ کفار کو ذرا بھی شبہ نہ ہوا۔

فراست و دانائی

مومن نہایت شریف ہوتا ہے وہ کسی کو دھوکا نہیں دیتا۔ مگر وہ نہایت دانا اور صاحب فراست بھی ہوتا ہے اور آسانی سے دھوکے میں نہیں آتا۔

خلیفہ عبدالملک کے زمانے میں امام شعبی ایک جلیل القدر تابعی اور ممتاز عالم و فقیہ تھے۔ فہم و تدبر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، عبدالملک نہایت اہم سفارتی خدمات ان سے لیتا تھا۔ ایک مرتبہ قیصر روم کے یہاں ایک اہم سفارت میں ان کو بھیجا گیا۔ قیصر روم نے ان سے جتنے سوالات کئے انہوں نے اس کے نہایت شافی جواب دیئے۔ ان کی فہم و فراست سے وہ بے حد متاثر ہوا اور پوچھا۔

"تم شاہی گھرانے سے ہو"

"نہیں۔ بلکہ میں ایک عام عرب ہوں" امام شعبی نے جواب دیا

قیصر نے یہ سن کر زیر لب کچھ کہا۔ پھر ایک رقعہ لکھ کر دیا اور ہدایت کی کہ "اپنے بادشاہ کو میرے پیغامات پہنچانے کے بعد یہ رقعہ دے دینا" امام شعبی واپس آئے تمام پیغامات پہنچا دیئے مگر رقعہ دینا بھول گئے

باہر نکلے تو یاد آیا اور واپس جا کر قیصر کا رقعہ امیر المومنین کے حوالے کر دیا۔ عبدالملک نے رقعہ پڑھا اور پوچھا

"یہ رقعہ دینے سے پہلے قیصر نے کیا بات کی تھی"

"اس نے پوچھا تھا کہ تم شاہی خاندان سے ہو۔ اور میں نے جواب دیا تھا نہیں بلکہ ایک عام عرب ہوں" امام شعبی نے بتایا

یہ کہہ کر وہ واپس ہو گئے ابھی دروازے ہی پہ پہنچے تھے کہ عبدالملک نے دوبارہ بلا لیا اور کہا۔

"شعبی تم کو رقعے کا مضمون معلوم ہے"؟

"نہیں" امام شعبی نے جواب دیا۔

"لو اور اسے پڑھو" خلیفہ نے رقعہ دیتے ہوئے کہا لکھا تھا۔

"مجھے اس قوم پہ حیرت ہوتی ہے کہ ایسے شخص کے ہوتے ہوئے اس نے ایک دوسرے شخص کو اپنا بادشاہ کیونکر بنا لیا"۔

امام شعبی نے کہا" امیر المومنین اگر مجھے پہلے سے اس مضمون کا علم ہوتا تو اسے ہرگز نہ لاتا۔ اس نے یہ بات اس لئے لکھی کہ اس نے آپ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا"۔

"خیر اس کو تو رہنے دو۔ مگر تم سمجھے کہ اس لکھنے کا مقصد کیا ہے"؟

"نہیں امیر المومنین" امام شعبی نے جواب دیا۔

عبدالملک نے کہا "قیصر نے مجھے تمہارے خلاف بھڑکا کر تمہارے قتل پر آمادہ کرنا چاہا ہے"

جب عبدالملک کا یہ قول قیصر تک پہنچا تو اس نے کہا۔
"مسلمانوں کے بادشاہ نے صحیح سمجھا میرا یہی مقصد تھا"

○

دولت دنیا پر دین کو ترجیح

حضرت سعید بن مسیب کی لڑکی نہایت حسین و جمیل اور زیور تعلیم و تربیت سے آراستہ تھی۔ خلیفہ عبد الملک اپنے ولی عہد کے لئے اس کا رشتہ چاہتا تھا۔ مگر حضرت سعید امراؤ سلاطین کو منہ لگانا پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ ان کی زندگی کو سراسر غلط سمجھتے تھے انھوں نے صاف انکار کر دیا۔ عبد الملک نے سختیاں بھی کیں مگر وہ رضا مند نہ ہوئے اس کے برعکس انھوں نے اس گوہر گرانمایہ کو ایک غریب مگر دیندار آدمی کے حوالہ کر دیا۔

ابو وداعہ قریش کا ایک معمولی اور غریب فرد تھا اور حضرت سعید کی خدمت میں پابندی کے ساتھ حاضر رہتا تھا۔ ایک مرتبہ وہ چند روز تک غیر حاضر رہا جب آیا تو پوچھا "اتنے دن کہاں غائب رہے"

"میری بیوی کا انتقال ہو گیا تھا اس لئے حاضر نہ ہو سکا" ابو وداعہ نے کہا"

"تم نے مجھے کیوں خبر نہ کی میں بھی تجہیز و تکفین میں شریک ہوتا۔"

ابو وداعہ نے کہا "میں نے خیال کیا آپ کو کیا زحمت دوں" تھوڑی

دیر کے بعد جب وہ اٹھنے لگا تو حضرت سعید نے پوچھا

"تم نے دوسری بیوی کا کوئی انتظام کیا"

"حضرت میں غریب و نادار آدمی ہوں مجھے کون اپنی فرزندی میں قبول کرے گا:" ابو وداعہ نے عرض کیا

"میں کروں گا۔ تم تیار ہو؟" حضرت سعید نے فرمایا

"حضرت اس سے زیادہ میری کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے" ابو وداعہ نے کہا

حضرت سعید نے اسی وقت چند درہم مہر پہ ابو وداعہ سے اپنی لڑکی کا نکاح پڑھا دیا۔ ابو وداعہ کی مسرت کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ مگر اس کو یہ فکر لاحق تھی کہ رخصتی کے لئے ضروری ساز وسامان کہاں سے لاؤں گا، لیکن حضرت سعید نے اس مشکل کو بھی حل کر دیا۔

شام کے وقت اپنی لڑکی کو ساتھ چلنے کا حکم دیا پہلے دو رکعت نماز خود پڑھی پھر دو رکعت نماز لڑکی سے پڑھوائی۔ اس کے بعد اپنی جگر گوشہ کو ہمراہ لے کر اپنے داماد ابو وداعہ کے گھر پہنچے۔ وہ روزہ افطار کر کے بیٹھے ہی تھے کہ دروازہ کھٹکھٹایا گیا۔ ابو وداعہ نے پوچھا "کون"؟

"میں ہوں سعید"

"یا الٰہی سعید بن مسیب تو اپنے گھر اور مسجد کے علاوہ کہیں آتے

جانتے نہیں یہ سعید کون ہیں" ؛ ابو وداعہ نے اپنے دل میں کہا پھر اُٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ شیخ سعید بن مسیب ہیں۔ اس نے معذرت کے طور پر یہ کہا:

"حضرت مجھے طلب فرما لیا ہوتا خود تشریف آوری کی زحمت کیوں فرمائی"

"نہیں مجھے تمہارے پاس آنا چاہیئے تھا، تم مجرد ہو اور تمہاری بیوی موجود ہے میں نے کہا کہ تنہا کیوں رات بسر کرو، اس لیئے تمہاری بیوی کو لے کر آیا ہوں ـــــ لو یہ تمہاری بیوی ہے" یہ کہہ کر اپنی لڑکی کی طرف اشارہ کیا جو شرم سے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔ پھر لڑکی کو دروازے کے اندر کر کے کواڑ بند کر دیئے، اور تشریف لے گئے ابو وداعہ مسرت حیرت اور استعجاب کا پیکر بنے ہوئے رہے۔ اس پیکر عفت کو لے کر اندر آئے اور پھر چھت پر چڑھ کر پڑوسیوں کو پکارا اور اپنی شادی کا اعلان کیا، کہ "آج سعید بن مسیب نے اپنی لڑکی کا نکاح میرے ساتھ کر دیا اور اسے میرے گھر پہنچا گئے ہیں"۔ ابو وداعہ کی ماں کو خبر ہوئی تو وہ دوڑی دوڑی آئیں اور کہا کہ "اگر بغیر سنوارے ہوئے تم اس کے پاس گئے تو تمہاری صورت نہ دیکھوں گی" چنانچہ تین دن تک دستور کے مطابق دلہن کو بنایا سنوارا جب تین دن کے بعد دیکھا تو وہ چندے آفتاب چندے ماہتاب تھی، علم وفضل کے زیور سے آراستہ حافظ قرآن حدیث کی عالم اور حقوق شوہری کی واقف کار۔

عیب پوشی

اپنے مسلمان بھائی کے عیب پر پردہ ڈالنا بھی اسلامی اخلاق کا ایک ضروری جزو ہے۔ اور بعض اوقات اس کے اثرات پردہ دری سے بہتر مرتب ہوتے ہیں۔

ابن حرملہ ایک روز صبح کو باہر نکلے تو ایک شخص کو نشے کی حالت میں پایا۔ اس کو زبردستی اپنے گھر گھسیٹ لائے۔ اس کے بعد حضرت سعید بن مسیب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا "میں نے ایک آدمی کو نشے کی حالت میں پایا ہے۔ اب کیا کروں اس کو حاکم کے سپرد کر کے حد جاری کراؤں"۔

حضرت سعید نے جواب دیا۔

"اگر تم اس کو اپنے کپڑے میں چھپا سکو تو چھپا لو"

ابن حرملہ گھر واپس آئے۔ اتنے میں اس شخص کا نشہ بھی اتر چکا تھا۔ ان کو دیکھ کر فرط ندامت سے اس کا چہرہ عرق آلود ہو گیا۔ ابن حرملہ نے کہا تمہیں شرم نہیں آتی، اگر تم صبح کو اس حالت میں پکڑے لئے جاتے تو کیا ہوتا۔ تم پر حد جاری ہوتی اور تم کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہتے۔ تمہاری آبرو خاک

ہیں جل جاتی اور تمہاری شہادت تک نہ قبول کی جاتی"

اس شرابی پہ اس احسان آلود نصیحت کا یہ اثر ہوا کہ شراب نوشی سے تائب ہو گیا۔

○

تلاوت قرآن سے شغف

حضرت اسود بن یزید تابعی روزانہ تلاوت قرآن کرتے تھے مرض الموت میں بھی اس معمول میں فرق نہ آیا۔ جب ضعف و نقاہت سے جنبش کی بھی طاقت نہ تھی۔ اپنے بھانجے ابراہیم نخعی کا سہارا لے کر قرآن پڑھتے تھے دم آخر ہدایت کی کہ مجھے کلمۂ طیبہ کی تلقین کرنا تاکہ جب دم نکلے تو زبان پہ کلمہ لا الہ الا اللہ ہو

○

سلام کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے افشو السلام ۔ سلام پھیلاؤ
اسلامی معاشرے میں لوگ ہر ملنے والے کو سلام کرتے ہیں خواہ واقف
ہو یا ناواقف ۔

حضرت عبدالرحمٰن بن اسود ایک بزرگ تابعی تھے ۔ ان کی عادت تھی کہ
جب باہر نکلتے تو جو شخص راہ میں ملتا اسے سلام کرتے ۔ یہاں تک کہ یہودی
اور نصرانی کو بھی سلام کرتے تھے ۔ ان کے ایک دوست نے ان سے
کہا "آپ ان مشرکوں کو بھی سلام کرتے ہیں"
"سلام مسلمان کی نشانی ہے ۔ میں ان کو سلام کرتا ہوں تاکہ یہ پہچان لیں
کہ میں مسلمان ہوں"
عبدالرحمٰن نے برجستہ جواب دیا ۔

دشمنوں سے محبت

عامر بن عبداللہ عنبری ایک خدا پرست اور عابد و زاہد تابعی تھے ان کے دشمنوں نے سیاسی اختلافات کی بنا پر امیر معاویہؓ کے کان بھرے اور ان کو بصرہ سے شام بھیج دیا گیا۔ بعد میں جب تمام الزامات غلط ثابت ہوئے تو ان کو واپسی کی اجازت دے دی گئی۔ امیر معاویہ نے فرمایا

"آپ کا جی چاہے تو آپ بصرہ واپس جا سکتے ہیں"

"اب میں ایسے شہر میں واپس نہیں جاؤں گا۔ جہاں کے باشندوں نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا" عامر نے جواب دیا

عامر نے بقیہ زندگی شام ہی میں گذاری مگر اپنے دشمنوں کے حق میں بھی وہ دعا ہی کرتے تھے بد دعا نہیں دیتے تھے۔ وہ دعا کیا کرتے تھے

"خدایا جن لوگوں نے میری چغلی کھائی ہے اور مجھے میرے وطن سے نکلوایا اور میرے بھائیوں سے مجھ کو جدا کرایا ہے ان کے مال اور ان کی اولاد میں ترقی دے انہیں تندرست رکھ اور ان کی عمر بڑھا۔"

سچائی

اسلامی زندگی کی بنیاد صدق اور سچائی ہے ۔ ہمارے اسلاف کے کردار کا یہ بنیادی جزو تھا۔ حضرت سالم بن عبداللہ جو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے خلف الصدق تھے، ایک ممتاز تابعی معتبر محدث اور فقیہ تھے ۔ ایک روز کپڑا خریدنے بازار گئے ۔ مردان بن جُبیر ایک بزاز تھا خود اس کا بیان ہے کہ سالم میری دکان پہ آئے اور مجھ سے ایک کپڑا جسے "ست گزا" وہ کہتے تھے طلب کیا ۔ میں نے ان کے سامنے ست گزا پھیلا دیا ۔ انہوں نے ناپنے کو کہا ۔ مگر وہ سات گز سے کچھ کم نکلا'

سالم ۔ تم نے کہا تھا کہ یہ "ست گزا" ہے

مردان ۔ جی ہاں اسے "ست گزا" ہی کہتے ہیں

سالم ۔ مگر یہ تو سات گز سے کم ہے ۔

مردان ۔ یہ سات گز سے کم ہوتا ہے مگر عرف عام میں اسے "ست گزا" ہی کہتے ہیں

سالم ۔ جھوٹ اسی کو کہتے ہیں ۔

اسلامی زندگی کی پاکیزگی جھوٹ کا خفیف شائبہ بھی گوارا نہیں کرتی ۔

شرم وحیا

ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں پنڈلیاں کھولے لیٹے ہوئے تھے۔ اتنے میں حضرت ابوبکرؓ آئے اور اجازت چاہی۔ آپ نے انہیں اندر بلالیا اور ویسے ہی تشریف فرما رہے۔ پھر حضرت عمرؓ آئے اور اجازت طلب کی، آنحضرتؐ نے ان کو بھی بلا لیا اور بدستور لیٹے رہے اتنے میں حضرت عثمانؓ بھی آگئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بھی اندر بلا لیا، اور خود اٹھ کر بیٹھ گئے اور پنڈلیوں پر کپڑے کو درست کر لیا۔

تھوڑی دیر کے بعد یہ حضرات چلے گئے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا "یارسول اللہ، میرے والد ابوبکرؓ آئے تو آپ نے جنبش نہ کی۔ عمرؓ آئے تو آپ ویسے ہی لیٹے رہے، مگر جب عثمانؓ آئے تو آپ اٹھ کر بیٹھ گئے اور کپڑے کو درست کر لیا۔ یارسول اللہ اس کی کیا وجہ ہے؟"

حمیراء! کیا میں اس شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں عثمانؓ حیادار آدمی ہیں مجھے خیال ہوا کہ اگر اسی حالت میں ان کو اندر بلا لیا تو کہیں وہ حیا وشرم کے باعث واپس نہ چلے جائیں اور جو کچھ انہیں کہنا ہے وہ نہ

شرافت اخلاق

مسلمان امراؤ سلاطین میں سے بعض اپنی شرافت اخلاق کے لئے نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ پورے جلال وجبروت کے باوجود وہ اہل فضل وکمال کا احترام کرتے تھے۔

حضرت سعید بن مسیب ایک حق گو۔ بے باک اور سلاطین و امراء کی سطوت سے بے نیاز بزرگ تھے حضرت عمر بن عبدالعزیز مدینہ کے گورنر تھے اور مسجد نبوی کی تعمیر وتوسیع کا کام ہورہا تھا۔ خلیفہ ولید خود اس کام کی رفتار کو دیکھنے کے لئے آیا۔ حسب دستور تمام لوگوں کو مسجد سے نکال دیا گیا۔ حضرت سعید ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے یاد خدا میں مشغول تھے۔ ان کو اٹھانے کی کسی کو ہمت نہ ہوئی۔ ایک شخص نے ادب سے عرض کیا کہ آپ اس وقت اٹھ جاتے تو اچھا ہوتا انہوں نے جواب دیا۔

"میرے اٹھنے کا جو وقت ہے اس سے پہلے نہیں اٹھوں گا:"

"اچھا نہ اٹھئے مگر کم از کم اتنا تو کیجئے گا کہ جب امیر المومنین ادھر سے گذریں تو سلام کے لئے کھڑے ہوجایئے گا۔"

"خدا کی قسم میں اس کے لئے کھڑا نہیں ہوسکتا۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ ان کے مرتبہ شناس تھے اور ان کی طبیعت سے واقف تھے۔ اس لئے ولید کی نظر سے بچانے کے لئے اس کو دوسری سمتوں میں پھراتے رہے لیکن جب وہ قبلہ کی طرف بڑھا تو اس کی نظر سعید بن مسیب پر پڑ گئی۔ اس نے پوچھا۔

"یہ کون بزرگ ہیں، سعید تو نہیں ہیں" عمر بن عبدالعزیزؒ نے مجبور ہو کر جواب دیا۔ "ہاں امیر المومنین! مگر امیر المومنین اب بہت ضعیف ہو گئے ہیں۔ آنکھوں سے بھی کم دکھائی دیتا ہے۔ اگر آپ کو پہچان سکتے تو سلام کے لئے ضرور اٹھتے"۔

"ہاں میں ان کی حالت سے واقف ہوں، ان کو تکلیف دینے کی ضرورت نہیں میں خود ان کے پاس چلتا ہوں"۔

اس کے بعد وہ گھومتا گھامتا حضرت سعید بن مسیب کے پاس پہنچا اور کہا۔

"شیخ کیسا مزاج ہے؟"

شیخ نے بیٹھے بیٹھے جواب دیا

"الحمد للہ اچھا ہوں کہئے آپ کا مزاج کیسا ہے"

اتنی سی گفتگو کے بعد ولید یہ کہتا ہوا لوٹ گیا کہ "یہ پرانی یادگار ہیں"۔

خوش اخلاقی

دلداری اور خوش اخلاقی اسلامی معاشرے کی جان ہے اس سے باہم تعلقات خوشگوار رہتے ہیں۔ "دل بدست آور کہ حج اکبر ست" ایک مشہور مقولہ ہے۔ حضرت مسعر بن کدام دوسروں کے جذبات کا بڑا لحاظ رکھتے تھے۔ اگر کبھی کوئی شخص انہیں ایسی حدیث سناتا جس کو وہ اس شخص سے زیادہ جانتے ہوتے تو صرف اس خیال سے کہ اس کی دل شکنی نہ ہو، وہ انجان بن کر نہایت خاموشی سے حدیث سنتے رہتے اور اس پر مطلق ظاہر نہ کرتے کہ وہ حدیث اس سے زیادہ جانتے ہیں۔ اس طرز عمل میں حدیث کے احترام کا جذبہ بھی شامل ہوتا تھا

بہترین عمل

حضرت محمد بن مسکندر مدینہ منورہ میں رہتے تھے اور صاحب فضل و کمال تھے امام مالک ان کو سید القراء کہتے تھے۔ ان سے ایک شخص نے پوچھا

"آپ کے نزدیک سب سے افضل عمل کون سا ہے؟"

"مسلمانوں کو خوش کرنا" محمد بن مسکندر نے جواب دیا۔

"اور سب سے پسندیدہ دنیا؟" پوچھنے والے نے دوبارہ پوچھا

"دوستوں کے ساتھ سلوک کرنا" سید القراء نے جواب میں فرمایا

پابندی عہد

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایرانیوں نے ایک آخری کوشش اسلام کے سیلاب فتوحات کو روکنے کے لئے کی اور کمسن یزدگرد کی سرپرست پوران دخت نے خراسان کے گورنر رستم کو جو شجاعت و تدبیر میں مشہور تھا وزیر جنگ بنا کر جنگی مہمات اس کے سپرد کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہ کو ایک جرار لشکر دے کر ایرانیوں کی قوت و شوکت توڑنے کے لئے روانہ فرمایا۔

ابو عبیدہ ابھی رستے میں تھے کہ رستم نے اضلاع فرات میں غدر کرا دیا اور مفتوحہ علاقے مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔ پوران دخت نے ایک عظیم الشان فوج نرسی اور جابان دو سپہ سالاروں کی سرکردگی میں روانہ کی حالات بے حد نازک تھے اور مسلمانوں کو سخت اشتعال تھا۔ چنانچہ جب جابان کی فوج نمارق پہنچ کر حضرت ابو عبیدہ کی فوج سے نبرد آزما ہوئی تو مجاہدین اسلام نے اس جوش کے ساتھ حملہ کیا کہ ایرانی فوج سر پہ پاؤں رکھ کر اٹھ بھاگی۔ اس کے مشہور سردار مارے گئے اور سپہ سالار جابان گرفتار ہو گیا۔ لیکن جس

مجاہد نے اسے گرفتار کیا تھا وہ اسے پہچانتا نہیں تھا۔ جابان نے اس سے کہا میں بوڑھا آدمی تمہارے کس کام کا ہوں معاوضے میں دو غلام لے لو اور مجھے چھوڑ دو۔ سادہ دل مسلمان دھوکے میں آگیا اور اس نے منظور کر لیا۔

جب اسے رہا کیا جارہا تھا تو اس کی حقیقت معلوم ہو گئی اور مسلمانوں نے شور مچایا کہ ایسے اہم دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہیئے۔ لیکن سپہ سالار اسلامی نے کہا۔ اسلام میں بد عہدی جائز نہیں۔ ایک معمولی سپاہی ہی نے سہی۔ مگر جو شرط اس سے کی گئی ہے اس کو پورا کیا جائے گا چنانچہ جابان جیسے دشمن کو چھوڑ دیا گیا۔

○

ماں باپ کی خدمت

ماں باپ کا ادب خدمت اور اطاعت اسلامی زندگی کا لازمی حصہ ہے
محمد بن سیرین کی والدہ حجازی تھیں اور ان کو رنگین اور نفیس کپڑوں
کا شوق تھا۔ ابن سیرین والدہ کے اس شوق کا بے حد لحاظ رکھتے اور
جب کپڑا خریدتے تو اس کی نرمی اور لطافت کو دیکھتے مضبوطی کا
خیال نہ کرتے ۔عید کے لئے اپنے ہاتھ سے اپنی ماں کے کپڑے
رنگتے ماں کے سامنے کبھی بلند آواز سے نہ بولتے اس طرح گفتگو کرتے
گویا کوئی راز کی بات کہ رہے ہیں۔

صحبت بد سے اجتناب

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ابھی اسلام نہیں لائے تھے۔ مگر ورع وتقویٰ اور نیکی و پاکبازی ان کی سیرت کے نمایاں عناصر تھے۔ زمانہ جاہلیت کا واقعہ ہے۔ ایک شخص ان کو کسی نامعلوم رستے سے لے چلا اور فخر کے طور پر کہا کہ

یہ وہ راستہ ہے جس میں ایسے بدمعاش اور آوارہ منش لوگ رہتے ہیں کہ اس طرف سے گذرنے میں بھی حیا دامن گیر ہوتی ہے۔

حضرت ابوبکر نے سنا تو وہیں رک گئے اور کہا "میں ایسے شرمناک راستے سے نہیں جا سکتا"۔

جفاکشی

حضرت احنف بن قیس تابعی بڑے جفاکش تھے۔ سخت سے سخت موسم میں بھی تیمم نہ کرتے اور برف آلود پانی سے وضو کر لیتے۔ خراسان کی مہم میں ایک شب کو نہانے کی حاجت ہو گئی۔ سخت سردی کا موسم تھا اور خراسان کا علاقہ۔ حضرت احنف نے اپنے کسی خادم اور سپاہی کو بھی نہ جگایا۔ تن تنہا پانی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ رستے میں کانٹے دار جھاڑیاں تھیں، اور شب کی سردی میں شمشیر کی تیزی تھی۔ مگر وہ مرد خدا پانی کی تلاش میں بڑھا چلا گیا۔ کانٹوں سے دونوں پاؤں لہو لہان ہو گئے۔ بالآخر ایک جگہ برف کی تہ تک پہنچے اور اس کو توڑ کر برف آلود پانی سے غسل کیا۔

○

قوتِ حافظہ

قوتِ حافظہ مسلمان اہلِ علم کا ایک امتیازی وصف تھا۔

ہشام بن عبدالملک نے امام محمد بن شہاب زہری سے درخواست کی کہ اس کے لڑکے کے لئے کچھ احادیث لکھ دیجئے۔ امام زہری نے حافظے سے چار سو حدیثیں قلمبند کرا دیں۔

ایک مہینہ کے بعد ہشام نے کہا "وہ مجموعہ گم ہو گیا براہ کرم دوبارہ وہی حدیثیں لکھوا دیجئے"

امام زہری نے پھر وہی حدیثیں لکھوا دیں۔

ہشام نے دونوں مسودات کا مقابلہ کیا تو ایک حرف کا فرق نہیں تھا۔
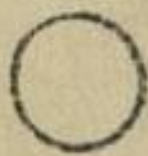
استقامت

کفار قریش دعوت اسلام کی ترقی سے سخت پریشان تھے۔ اور مشورہ کر رہے تھے کہ اس مصیبت کا کیا علاج کیا جائے۔ عمر بن خطاب جو قریش کے مرد آہن اور آتش مزاج فرد تھے برہم ہو کر اٹھے اور قسم کھائی کہ آج اس جھگڑے کو چکا کر ہی رہوں گا۔" یہ کہہ کر وہ گلے میں تلوار حمائل کئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکلے۔ مسلمانوں کو بھی ان سازشوں اور مشوروں کی پل پل کی خبریں مل رہی تھیں اور لوگ قدرتی طور پر تشویش میں مبتلا تھے۔

حضرت عمر غصے میں بھرے جا رہے تھے کہ راہ میں نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر پوچھا

"عمر خیر تو ہے۔ کدھر کا ارادہ ہے؟"

"آج محمد کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ جو ہمارے بتوں کا انکار کرتے اور ایک خدا کی عبادت کی تلقین کرتے ہیں۔" عمر نے جواب دیا

"مگر عمر پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو" نعیم نے اطلاع دی "بعد میں باہر کی فکر کرنا۔"

"کیوں میرے گھر کو کیا ہے" عمر نے پوچھا

"تمہاری بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں" نعیم نے بتایا

"اچھا یہ بات ہے۔ بہتر ہے پہلے انہی کی خبر لیتا ہوں" عمر نے اعلان کیا

تھوڑی دیر میں عمر اپنی بہن کے مکان کے دروازے پر تھے۔ اندر سے کچھ پڑھنے کی آواز آرہی تھی، غضبناک عمر نے دروازہ کھٹکھٹایا بہن بھائی کا انداز پا گئیں۔ قرآن چھپا دیا اور دروازہ کھولا۔ داخل ہوتے ہی عمر نے پوچھا" یہ تم کیا پڑھ رہی تھیں"

"آپ کو اس سے کیا غرض" بہن نے نرمی سے جواب دیا۔

مجھ سے چھپانے کی کوشش بے فائدہ ہے میں سن چکا ہوں، تم دونوں بے دین رصابی ہو گئے ہو"۔

عمر نے خشمگیں لہجے میں جواب دیا، اور یہ کہہ کر وہ بہنوئی پر پل پڑے اور ان کو مارنا شروع کر دیا خاوند کو بچانے کے لئے ان کی بیوی درمیان میں آگئیں مگر غضبناک عمر نے بہن کی بھی کچھ پرواہ کی اور اس کو بھی بے تحاشا پیٹا یہاں تک کہ بدن سے لہو ٹپکنے لگا۔ مگر پیکر ایمان و استقامت بہن نے کہا، "عمر تم چاہے مجھے جان سے مار ڈالو مگر ہم اسلام نہیں چھوڑ سکتے"۔

یہ الفاظ تیر کی طرح عمر کے سینے میں اتر گئے۔ ایک طرف عزیز بہن کا لہو لہان جسم۔ دوسری طرف اس کا عزم آہنیں۔ عمر کی قلب و روح میں

حق تیر کی طرح اتر گیا۔ اور آنسو بے اختیار ان کی آنکھوں سے جاری ہو گئے۔ فولاد کا بنا ہوا دل موم کی طرح نرم ہو گیا۔ اور انہوں نے عاجزی سے کہا۔

"اچھا۔ تم لوگ جو کچھ پڑھ رہے ہو مجھے بھی سناؤ"

فاطمہ بنت خطاب نے قرآن کے اوراق سامنے لا کر رکھ دیئے عمر کی نگاہ پڑی تو یہ آیات تھیں۔

سبح للہ ما فی السموات والارض وھو العزیز الحکیم۔ لہ ملک السموات والارض یحی ویمیت وھو علی کل شیء قدیر ہو الاول والاخر والظاہر والباطن وھو بکل شیء علیم۔ ہو الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش یعلم ما یلج فی الارض وما یخرج منھا وما ینزل من السماء وما یعرج فیھا وھو معکم این ما کنتم واللہ بما تعملون بصیر۔

لہ ملک السموات والارض والی اللہ ترجع الامور۔ یولج اللیل فی النہار ویولج النہار فی اللیل وھو علیم بذات الصدور۔ (الحدید)

عمر یہ الفاظ سن رہے تھے اور ان کا دل پگھل پگھل کر آنکھوں سے بہ رہا تھا جب لسان الٰہی کی یہ صدا کانوں میں پڑی

آمنوا باللہ ورسولہ۔ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ تو گویا ہاتف غیب نے عمر کو براہ راست پکارا تھا۔ وہ بے اختیار ہو کر بول اٹھے۔

اشهد ان لا الہ الا اللہ واشہد ان محمد رسول اللہ

اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے اور اسلام کو مٹا دینے کے لیئے تلوار لے کر چلا تھا خود کشتۂ اسلام ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ ایک مسلمان خاتون کی استقامت علی الایمان نے وہ کرشمہ سر انجام دیا جس نے اسلامی تاریخ کا رخ بدل دیا۔

حکومت و سیاست

اطاعت رسولؐ

اطاعت رسولؐ کے معاملے میں اسلام کسی مصالحت اور خطرے کا قائل نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال سے قبل حضرت اسامہ بن زید کی سرکردگی میں ایک مہم شام پر حملہ آور ہونے کے لئے مامور فرمائی تھی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو پوری مملکت اسلامی خطرات میں گھر گئی۔ نبوت کے مدعیان کاذب نے اٹھ کر اپنی بساط نبوت جمانے کی کوشش کی۔ منافقین نے اسلامی نظام کو پارہ پارہ کرنے کے لئے ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ مرتدین نے اسلام کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور زکوٰۃ کا انکار کرنے والوں نے اسلامی حکومت کی اطاعت سے سرتابی کا اعلان کر دیا۔

حضرت اسامہؓ فوج اسلام لئے مدینہ کے باہر جرف میں پڑاؤ کئے ہوئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے جو پرچم کھول کر ان کو دیا تھا فضا میں لہرا رہا تھا۔ صحابۂ کرام نے حضرت ابوبکرؓ کو مشورہ دیا کہ شام کی مہم کو ملتوی کر دیجئے۔ اور اس فوج کو پہلے اندرون ملک کی شورشوں کا قلع قمع کرنے میں استعمال کیجئے۔ لیکن حضرت ابوبکر نے فرمایا

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مہم مقرر فرمائی ہے۔ میں اس کو منسوخ نہیں

کر سکتا۔ اور جو علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روم کے مقابلے کے لئے بلند کیا ہے نہ اس کو لپیٹ سکتا ہوں اور نہ اسامہ کو کسی دوسری جانب روانہ کر سکتا ہوں۔

لوگوں نے کہا امیر المومنین اس وقت خود مدینہ خطرے میں ہے یہ مناسب نہیں کہ فوج کو باہر کی مہم پر بھیجا جائے۔ اس پر آپ نے برہم ہو کر فرمایا

"خدا کی قسم اگر مدینہ اس طرح آدمیوں سے خالی ہو جائے کہ درندے آ کر میری ٹانگ کھینچنے لگیں تب بھی میں اس مہم کو نہیں روکوں گا۔"

حضرت اسامہؓ حسب حکم فوج کو لے کر روانہ ہو گئے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ پیادہ پا ان کی سواری کے ساتھ دور تک گئے۔ حضرت اسامہؓ نے عرض کیا۔

"امیر المومنین خدا کے لئے آپ بھی گھوڑے پر سوار ہو جائیے۔ ورنہ میں بھی اترتا ہوں"۔

امیر المومنین نے فرمایا" اسامہ! خدا تمہاری مدد کرے۔ اس میں کیا مضائقہ ہے اگر میں تھوڑی دیر تک اپنے پاؤں غبار آلود کروں، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔"

حضرت عمرؓ کا ایک خطبہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو ان سے بیان کیا گیا کہ لوگ آپ کی طبیعت کی سختی کی بنا پر خائف ہیں، کہ دیکھیئے اب کیا ہوتا ہے۔ یہ سن کر انہوں نے لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا اور منبر پر چڑھ کر تقریر کی۔

" مجھے معلوم ہوا ہے کہ لوگ میری سختیوں سے گھبراتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عمر ہم پر سختی کرتا تھا۔ پھر حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے تو ان کے عہد میں بھی عمر ہمارے ساتھ سختی سے پیش آتا رہا۔ اور اب تو وہ خود خلیفہ ہو گیا۔ خدا جانے اب وہ کیا کرے گا۔

لوگوں نے سچ کہا۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک خادم تھا۔ ان کی رحمت و شفقت کا درجہ کون حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو رؤف و رحیم کہا ہے، جو خود اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ میں اس حالت میں تیغ برہنہ ہو جاتا تھا رسول اللہ اس تیغ برہنہ کو میان میں ڈال دیتے تھے یا برہنہ ہی رکھتے تھے کہ وہ اپنا وار پورا کرے۔ حضرت ابوبکر بھی نرم خو اور حلیم تھے۔ میں ان کا بھی خادم و مددگار تھا۔ ان کی نرمی کے ساتھ میں اپنی سختی کو ملا دیتا تھا اور تیغ بے نیام ہو جاتا تھا وہ چاہتے تھے تو وار کرتے تھے ورنہ نیام میں ڈال دیتے تھے۔ لیکن اب جبکہ میں خود

خلیفہ ہو گیا ہوں تو وہ سختی دوگنا ہو گئی ہے۔ لیکن صرف ان لوگوں کے لئے جو مسلمانوں پہ ظلم کریں گے۔ رہے نیک اور دیانتدار لوگ، تو میں ان کے لئے اس سے زیادہ نرم خو ہوں جس قدر وہ باہم نرم خو ہیں۔" لوگوں نے یہ سنا تو مطمئن ہو گئے۔

اسلامی حکومت کی خصوصیات

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمانوں نے بیعت کر لی تو وہ منبر پر تشریف لے گئے اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا۔

"لوگو! میں تم تمہارا حاکم بنایا گیا ہوں، مگر میں تم سب سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرو، اگر برائی کی طرف جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو، میں سچائی کو شعار بناؤں گا۔ کیوں کہ صدق امانت ہے اور جھوٹ سے اجتناب کروں گا کیوں کہ جھوٹ خیانت ہے۔ تمہارا ضعیف بھی میرے نزدیک قوی ہوگا جب تک کہ میں اس کا حق نہ دلا دوں۔ اور تم میں جو قوی ہے وہ میرے نزدیک ضعیف ہوگا جب تک کہ اس سے دوسروں کا حق نہ دلا دوں۔ انشاء اللہ۔ جو قوم جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دیتی ہے خدا اس کو ذلیل و خوار کر دیتا ہے۔ اور جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے۔ خدا اس کی مصیبت کو بھی عام کر دیتا ہے۔ اگر میں خدا و رسولؐ کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو۔ اگر خدا و رسولؐ کی نافرمانی کروں تو میری اطاعت تم پر واجب نہیں ——— اچھا اب نماز کے لئے کھڑے ہو جاؤ، تم پر اللہ اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔"

اسلامی حکومت کے اثرات

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایران کا بادشاہ یزد گرد غازیان اسلام کی تاب نہ لاکر بھاگا اور خاقان چین کی مملکت کی حدود میں داخل ہوگیا خاقان نے اس کو نہ صرف پناہ دی بلکہ ایک لشکر جرار لے کر اس کی مدد کے لئے خراسان پہنچا اور بلخ ہوتا ہوا مرو کی طرف بڑھا۔ لیکن حضرت احنف بن قیس تابعی نے فوج لے کر راہ میں اس کو روک دیا۔ چند روز کے بعد خاقان نے مایوس ہو کر فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ جب یزدگرد جو مرو کا محاصرہ کئے ہوئے تھا اس کو خاقان کی واپسی کی خبر ملی تو اس نے بھی چھوڑ دیا اور خزانہ لے کر ترکستان جانے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن خود ایرانیوں نے اس کو روکا اور کہا کہ ترکستانیوں کا کوئی دین و مذہب نہیں مگر مسلمان ایک پابند مذہب اور پابند عہد قوم ہے، اگر آپ اپنا ملک چھوڑنا ہی چاہتے ہیں تو مسلمانوں سے صلح کر لیجئے، مگر وہ نہ مانا۔ اس پر انہوں نے یہ دیکھ کر کہ ملک کی دولت باہر جا رہی ہے۔ لڑ کر یزدگرد سے کل خزانہ چھین لیا۔ اور یزدگرد خالی ہاتھ ترکستان بھاگ گیا۔

یزدگرد کے فرار کے بعد ایرانیوں نے حضرت احنف بن قیس سے جو مسلمانوں کے سپہ سالار تھے صلح کر لی۔ اور ایران کا پورا خزانہ ان کے حوالے کر دیا۔ حضرت احنف نے ان کے ساتھ اتنا شریفانہ برتاؤ کیا کہ ایرانی افسوس کرتے تھے کہ وہ اب تک مسلمانوں کی حکومت کی برکات سے کیوں محروم رہے۔

نفاذِ احکامِ اسلام

اسلام کے احکام کا نفاذ اسلامی زندگی کا اصل مقصد ہے۔ اگر یہ مقصد پورا نہیں ہوتا تو اسلامی زندگی کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے آغاز کے ساتھ ہی ایک گروہ نے زکواۃ دینے سے انکار کر دیا۔ اور کہا۔ ہم تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ دیتے تھے۔ اب نہیں دیں گے یہ گروہ توحید و رسالت کا اقرار کرتا تھا۔ اور مسلمان ہونے کا مدعی تھا مگر حضرت ابوبکرؓ نے حکم دیا۔

"منکرین زکوۃ کے خلاف جنگ کی جائے"۔

"امیرالمومنین۔ آپ ایک ایسی جماعت کے خلاف تلوار کس طرح اٹھا سکتے ہیں جو توحید و رسالت کا اقرار کرتی ہے اور صرف زکواۃ کی منکر ہے"۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔

"خدا کی قسم! اگر ایک بکری کا بچہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا جاتا تھا۔ اور کوئی شخص دینے سے انکار کرے تو میں اس کے خلاف جہاد کروں گا۔"

حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا۔

"لیکن مسلمانوں کے خلاف تلوار اٹھانے کے لئے آپ کے ہمراہ کون نکلے گا" لوگوں نے کہا۔

"اگر کوئی شخص نہیں نکلے گا تو ابوبکر تنہا نکل کھڑا ہوگا۔" امیرالمومنین نے اعلان فرمایا اور اس جواب کو سن کر لوگوں کے دلوں کا تذبذب دور ہو گیا۔

منکرین زکوٰۃ کو بارگاہ خلافت کا یہ عزم صمیم معلوم ہوا تو ان کے ہوش ٹھکانے آگئے اور وہ زکوٰۃ لے کر مدینہ حاضر ہو گئے۔

تبلیغ اسلام

وعظوں اور مناظروں کی ہنگامہ آرائی سے کبھی کبھار ایک آدھ غیر مسلم اسلام کا حلقہ بگوش ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اسلامی زندگی اپنے پورے تقاضوں کے ساتھ بر سرِ عمل ہوتی ہے تو کفر کی دنیا کی دنیا کو الٹ کر رکھ دیتی ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بر سر حکومت آتے ہی حکم دیا کہ جو ذمی اسلام قبول کر لے اس کا جزیہ معاف کر دیا جائے۔ اس سے قبل قبول اسلام کے بعد بھی ذمی کا جزیہ قائم رہتا تھا۔ بنی امیہ کے حکمرانوں کے نزدیک اس غیر اسلامی حکم میں مصلحت یہ تھی کہ آمدنی نہ ماری جائے اور خزانہ سرکاری میں کمی واقع نہ ہو۔

جب عمر بن عبدالعزیز کے فرمان پہ عمل ہوا تو لوگ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہونے لگے اور علاقے کے علاقے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ تنہا جراح بن عبداللہ حکمی والئے خراسان کے ہاتھ پہ چار ہزار ذمی مسلمان ہوئے۔ اسمٰعیل بن عبداللہ بن ابی المہاجر مغرب کے گورنر تھے۔ ان کی تبلیغ سے سارے مغرب میں اسلام پھیل گیا۔

اس سے ابتداء میں خراج کی آمدنی ضرور کم ہوئی۔ اور بعض والیوں نے لکھا

"امیر المومنین خزانہ خالی ہو رہا ہے"

امیرالمومنین نے جواب میں تحریر فرمایا۔ "محمدؐ رسول اللہ ہادی و رہنما بنا کر بھیجے گئے تھے محصل خراج بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔"

لیکن یہ کمی بھی زیادہ دیر قائم نہ رہی اور جائز طریقوں سے محاصل میں اتنا حیرت انگیز اضافہ ہوا کہ پہلے دور سے بھی بڑھ گیا اور عراق کی آمدنی حجاج کے دور ظلم سے بھی بڑھ گئی۔ عمر بن عبدالعزیز کو معلوم ہوا تو فرمایا خدا حجاج پر لعنت کرے اس کو نہ دین کا سلیقہ تھا نہ دنیا کا۔ اس نے اپنے ظالمانہ طریقوں کے ذریعے عراق سے ۲ کروڑ اسی لاکھ درہم وصول کئے۔ مگر میرے دور میں ۱۲ کروڑ چالیس لاکھ درہم وصول ہوئے۔

شہید کا خون

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو بشارت دی تھی جو قسطنطنیہ کی مہم میں شریک ہوں گے۔ ۳۲ھ میں امیر معاویہؓ کی سرکردگی میں اس مہم کی پیش گوئی پوری ہوئی۔ اس میں شامل ہونے کے لئے حضرت علقمہ بن قیس ایک ممتاز تابعی بھی بے تاب تھے۔ اور وہ بھی شریک ہوئے ایک مجاہد معضد نے ایک برج پر حملہ کرتے وقت، سر پر باندھنے کے لئے ان سے چادر مستعار لی اور شہادت پائی۔ اور علقمہ کی چادر ان کے خون میں تربتر ہو گئی۔ علقمہ اس چادر کو بہت متبرک سمجھتے تھے۔ اور اس کو اوڑھ کر جمعہ میں جاتے تھے۔ اور فرماتے تھے کہ میں اس کو اس لئے اوڑھتا ہوں کہ اس میں ایک شہید کا خون ہے۔

شہید کے خون کا یہ اعزاز و احترام تھا جو اسلاف کرام کو جہاد و شہادت کے لئے بے تاب رکھتا تھا۔ اور جہاد و شہادت کی یہ بے تابی ہی غلبۂ اسلام اور ملت اسلامیہ کی اقبالمندی کی ضامن تھی۔

احساس ذمہ داری

حضرت عمر بن عبد العزیز مسند خلافت پر فائز ہونے سے پہلے بڑے عیش و نعم کی زندگی بسر کرتے تھے۔ شوق لباس اور نفاست مزاج کی یہ حالت تھی کہ جب ان کے کپڑوں پر ایک مرتبہ دوسروں کی نظر پڑ جاتی تھی تو انہیں پرانا سمجھنے لگتے تھے خوشبو کے لئے عنبر کا سفوف داڑھی پر چھڑکتے تھے۔ ہر وقت عطر میں بسے رہتے تھے۔ جب مدینہ کے گورنر مقرر ہو کر روانہ ہوئے تو تیس اونٹوں پر ان کا ذاتی سامان لدا ہوا تھا۔

لیکن جب ان کے ذمہ دار کاندھوں پر مسلمانوں کی خلافت کا بار آ پڑا تو معاً بالکل بدل گئے اپنے پیش رو خلیفہ سلیمان بن عبد الملک کی تجہیز و تکفین سے فراغت کے بعد حسب معمول ان کے سامنے شاہی سواریاں پیش کی گئیں۔ پوچھا

"یہ کیا ہیں؟"

"یہ شاہی سواریاں ہیں" خدام نے عرض کیا۔

"میرے لئے میرا خچر کافی ہے" خلیفہ راشد نے کہا اور سب سواریاں واپس کردیں اور کچھ روز کے بعد شاہی اصطبل کے تمام جانوروں کو بیچ کر ان کی قیمت بیت المال میں داخل کرا دی۔ گھر آئے تو چہرے سے پریشانی کے آثار ہویدا تھے۔ لونڈی نے پوچھا

"امیر المومنین آپ شاید کچھ متفکر ہیں۔"

عمر بن عبد العزیز نے جواب دیا۔

"اس سے زیادہ فکر و تشویش کی بات کیا ہوگی کہ مشرق و مغرب میں امت محمدیہ کا کوئی فرد ایسا نہیں جس کا حق مجھ پر نہ ہو اور مطالبہ و اطلاع کے بغیر اس کا ادا کرنا مجھ پر فرض نہ ہو۔"

ایک روز عمر بن عبد العزیز اپنے گھر میں رو رو کر دعائیں کر رہے تھے۔ روتے روتے آنکھ لگ جاتی جب کھلتی تو پھر یہی مشغلہ جاری ہو جاتا۔ ان کی بیوی فاطمہ نے جو ایک جلیل القدر خلیفہ عبد الملک کی بیٹی تھیں۔ اور خاوند کے بدلنے کے ساتھ ہی بدل گئی تھیں اس حالت میں دیکھ کر پوچھا

"آپ آج اس حالت میں کیوں ہیں۔"

"بی بی تمہیں اس سے کیا غرض!" خاوند نے ٹالنے کے لئے کہا۔

"میں بھی اس سے نصیحت حاصل کرنا چاہتی ہوں" بیوی نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

حضرت عمر بن عبد العزیز نے جن کا رواں رواں خلافت کی ذمہ داریوں کے احساس سے لبریز تھا بولے!

میں اپنے بارے میں غور کرتا ہوں تو محسوس کرتا ہوں کہ اس امت کے چھوٹے بڑے اور سیاہ و سپید جملہ امور کا ذمہ دار ہوں۔ اس لئے جب میں بیکس، غریب، محتاج، فقیر، گم شدہ قیدی اور اسی طرح کے دوسرے آدمیوں کو یاد کرتا ہوں جو ساری مملکت

ہیں پھیلے ہوئے ہیں اور جن کی ذمہ داری مجھ پر ہے اور یہ سوچتا ہوں کہ خدا ان کے بارے میں مجھ سے سوال کرے گا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے متعلق مجھ پر داور حشر کی عدالت میں دعوٰی کریں گے پھر میں اس وقت کیا جواب دوں گا۔ اگر خدا کے سامنے کوئی عذر اور شافع حشر کے سامنے کوئی عذر پیش نہ کر سکا تو میرا کیا انجام ہوگا؛ میں یہ سوچتا ہوں اور میری نیند اڑ جاتی ہے۔ میرے آنسو بہنے لگتے ہیں۔ اور میرا دل خوف سے لبریز ہو جاتا ہے۔

منصب و عہدہ سے احتراز

عہدہ و منصب کی خواہش سے اسلامی زندگی کا دل یکسر پاک ہوتا ہے۔ حکومت و اقتدار اس کے نزدیک ایک بار امانت ہے۔ جس کی جواب دہی نہایت سخت ہے۔ لیکن جب جان جوکھوں کا معاملہ ہو۔ جب کوئی اہم سرفروشانہ خدمت کی سرانجام دہی پیش نظر ہو اس وقت ایک مرد مجاہد اس خدمت کی سرانجام دہی کے سلسلے کا منصب و عہدہ قبول کرنے کی خواہش کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ وہاں اصل شئے عہدہ و منصب نہیں ہوتا بلکہ وہ خدمت حق ہوتی ہے جو اس عہدے کے ذریعے ہی سرانجام دی جاسکتی ہے۔

غزوۂ خیبر کے موقع پر مسلمانوں کو فتح حاصل کرنے میں بڑی دشواری پیش آرہی تھی۔ خیبر کا یہودی سردار مرحب ایک پختہ کار جنگجو تھا، اور قلعہ نہایت مستحکم اور ناقابل تسخیر۔ مسلمانوں کا سیلاب جہاد بڑھ بڑھ کر حملہ کرتا اور پہاڑ کی چٹان سے ٹکرانے والے سمندر کی لہروں کی طرح واپس ہو جاتا۔

بالآخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک علم اپنے دست مبارک سے تیار کیا اور فرمایا "کل ہم یہ جھنڈا اس شخص کو دیں گے جو اللہ اور اللہ کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسی کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائے گا۔"

یہ کار اہم اور پھر اس کے ساتھ یہ بشارت اور فتح کی نوید۔ یہ ایسے خوش نصیب امور تھے کہ صحابہ میں سے ہر شخص کا دل اس خواہش و تمنا سے لبریز ہو گیا کہ "کاش وہ خوش نصیب شخص میں ہوتا۔" اگلے روز یہ فتح و فیروز مندی کا علم حضرت علیؓ کے حصے میں آیا۔ جو آشوب چشم میں مبتلا اور جنگ کے ناقابل تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ماؤف آنکھوں پر لعاب دہن لگایا اور وہ اللہ کی قدرت سے تندرست ہو گئیں۔ حضرت علیؓ میدان میں نکلے اور فی الواقع خیبر کا ناقابل تسخیر قلعہ ان کے ہاتھ پر اس طرح مسخر ہو گیا گویا وہ کچی دیواروں کا مکان تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا۔ "آپ نے اپنی زندگی میں کبھی امارت کی خواہش بھی کی؟"

"امارت کی خواہش میرے دل میں کبھی پیدا نہیں ہوئی، بجز اس ایک دن کے جب غزوۂ خیبر کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کا جھنڈا اس شخص کو دینے کا اعلان فرمایا تھا۔ جو اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے اور جس کے ہاتھ پر فتح مقدر ہے۔"

حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

فاسق کی قیادت سے بیزاری

اسلامی قیادت کے لئے وہی لوگ موزوں ہوتے ہیں جو اسلام کے مطیع فرمان ہوں۔ جن لوگوں کی زندگیاں اسلام کی نافرمانی پر مبنی ہوں۔ ان پر اعتماد کرنا اسلامی معاشرے کے لئے مناسب نہیں۔ جو شخص خدا ورسول کا نافرمان ہے وہ مسلمانوں کے ساتھ کب وفا کرے گا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے مکہ معظمہ میں بنی امیہ کے مقابلے میں خلافت کا دعویٰ کیا۔ بنی ثقیف کا ایک اولوالعزم اور قسمت آزما شخص مختار بن عبید ثقفی ان کے ساتھ ہو گیا۔ لیکن جب اس کی حوصلہ مندیوں اور اغراض دنیوی کی تکمیل نہ ہوئی تو ان سے جدا ہو کر اس نے حضرت حسینؓ کے خون معصوم کا انتقام لینے کا اعلان کر دیا اور محبان حسین کو اپنی طرف بلانے لگا۔ اس نے امام زین العابدینؓ کی خدمت میں نذرانہ بھیجا اور درخواست کی کہ میں آپ کے والد کے قاتلوں کو سزا دینے کے لئے اٹھا ہوں۔ میری سرپرستی فرمائیے۔

امام موصوف اس کے حالات سے واقف۔ تھے اس کی درخواست کو مسترد کر دیا۔ اور مسجد نبوی میں آکر اس کے فسق و فجور کا پردہ چاک کیا اور

علی الاعلان اس سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا :-

یہ شخص لوگوں کو دھوکا دینے کے لیے اہل بیت کو آڑ بنانا چاہتا ہے - حقیقت میں اس کو اہل بیت کی محبت سے دور کا واسطہ بھی نہیں -

---

ظالموں سے بیزاری

حضرت عروہ حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے اور حضرت عبداللہ بن زبیر کے بھائی تھے۔ بنی امیہ کا زمانہ تھا اور خلق خدا ان کے مظالم سے عاجز تھی۔ حضرت عروہ اور حضرت زین العابدین روزانہ عشا کے بعد مسجد نبوی کے ایک گوشے میں بیٹھتے تھے۔ ایک روز زین العابدین نے کہا

"عروہ۔ بنی امیہ کے مظالم کو روکنے کی جب ہم میں طاقت نہیں تو ان کے ساتھ رہنا کہاں تک مناسب ہے۔ ان کے مظالم کی پاداش میں خدا ان پر ایک نہ ایک دن عذاب نازل کرے گا۔"

"علی! جو شخص ظالموں سے علیحدہ رہے گا اور خدا اس کی بیزاری سے واقف ہوگا تو امید ہے کہ جب ظالموں کو وہ کسی مصیبت میں مبتلا کرے گا تو ان سے علیحدہ رہنے والا شخص خواہ وہ تھوڑے ہی فاصلے پر ہو اس مصیبت سے محفوظ رہے گا۔"

اس گفتگو کے بعد عروہ مدینہ چھوڑ کر عقیق چلے گئے جو مدینہ کے قریب ہی ایک مقام ہے، لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا

"ان کی مسجدیں لہو و لعب اور بازار لغویات کا گہوارہ ہیں، اور ان کے

راستوں میں بے حیائیوں کی گرم بازاری ہے۔ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں ان کے ساتھ خدا کے عذاب کی لپیٹ میں نہ آجاؤں۔"

ظلم میں تعاون سے اجتناب

ابو جعفر منصور عباسی ایک باجبروت خلیفہ تھا۔ اس عہد کے خلفاء اپنی حکومت کو قائم رکھنے کے لئے بے تحاشا ظلم کرتے تھے۔ ان کا ہاتھ روکنے والے اگر تھے تو صرف وہ اہل حق جو دین ہدایت کو سنبھالے ہوئے مسند کتاب وسنت پر متمکن تھے۔ ان بندگانِ حق پرست ہی کا یہ فیض ہے کہ دین حق اپنی اصل صورت میں محفوظ چلا آیا۔ اور اسلامی روایات جریدۂ عالم پر ہمیشہ کے لئے ثبت ہو کر رہ گئیں۔

ابو جعفر منصور نے امام مالک اور عبداللہ بن طاؤس کو اپنے یہاں بلا بھیجا دونوں بزرگ جا کر بیٹھ گئے کچھ دیر خاموشی رہی۔ بالآخر منصور نے گفتگو کا سلسلہ چھیڑنے کے لئے عبداللہ سے کہا۔ "اپنے والد طاؤس بن کیسان کی کوئی حدیث سنائیے"۔ حضرت عبداللہ نے کہا:-

"قیامت کے دن سب سے زیادہ عذاب اس شخص کو ہوگا جو خدا کی حکومت میں شرک کرے گا۔ یعنی برسرِ اقتدار آکر ظلم کرے گا۔"

منصور نے یہ قول حق سنا تو بات پاگیا اور زہر کے گھونٹ پی کر رہ گیا۔ امام مالک کہتے ہیں میں ڈرا کہ اب منصور کا تازیانۂ عتاب عبداللہ پر برسے گا لیکن خیر

ہوئی کہ منصور غصہ ضبط کر گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد منصور نے تین مرتبہ عبداللہ سے کہا کہ "دوات اٹھا کر دے دیجیے"۔ مگر انھوں نے اس کی تعمیل نہ کی۔ بالآخر منصور نے کہا "عبداللہ دوات کیوں نہیں اٹھا کر دیتے"۔

"اس لیے کہ اگر تم اس سے کوئی ظالمانہ حکم لکھو گے تو اس میں میری بھی شرکت ہو جائے گی"۔ عبداللہ نے برجستہ جواب دیا۔

منصور نے دونوں کو اپنے یہاں سے اٹھا دیا۔ عبداللہ نے باہر نکل کر کہا "ہم یہی تو چاہتے تھے"۔

ایک سچا مسلمان کسی ایسے فعل میں اپنی شرکت گوارا نہیں کرتا جو خدا کو ناپسند ہو۔

مصارف حکومت میں کفایت شعاری

(۱)

حکومت ایک امانت ہے اور مسلمانوں کا امیر اور حاکم مسلمانوں کا امین، اس کا فرض امانت یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے مال کی پوری پوری حفاظت کرے اور ایک پائی نہ ضائع ہونے دے اور نہ ایک پائی کا اسراف کرے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے بیت المال کی حفاظت کا نہایت سخت انتظام کیا تھا۔ ایک مرتبہ ان کو اطلاع ملی کہ یمن کے بیت المال سے ایک دینار گم ہو گیا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے وہاں کے افسر خزانہ کو لکھا کہ میں تمہیں بد دیانتی کا الزام نہیں دیتا مگر بے پروائی کے ضرور مجرم ہو۔ میں مسلمانوں کی طرف سے ان کے مال کا مدعی ہوں اس لئے تم پر فرض ہے کہ شرعی قسم کھاؤ۔

(۲)

ابوبکر بن حزم نے سلیمان بن عبدالملک کے آخری عہد میں کاغذ قلم دوات اور روشنی کے دفتری اخراجات کے اضافے کے لئے اجازت طلب کی تھی۔ ابھی منظوری نہیں ہوئی تھی کہ اس کا انتقال ہو گیا اور عمر بن عبدالعزیز مسندِ خلافت پر جلوہ فرما ہو گئے۔ جب ابوبکر بن حزم کی درخواست ان کے سامنے

پیش ہوئی تو دارالخلافہ سے ذیل کا تلخ جواب گیا۔

"ابوبکر! وہ دن یاد کرو جب تم اندھیری رات میں روشنی کے بغیر کیچڑ میں اپنے گھر سے مسجد نبوی جاتے تھے۔ آج تمہاری حالت اس سے کہیں بہتر ہے قلم باریک کر لو اور سطریں قریب قریب لکھا کرو۔ اپنی ضروریات میں کفایت شعاری سے کام لو۔ میں مسلمانوں کے خزانے سے ایسی رقم صرف کرنا پسند نہیں کرتا۔ جس سے ان کو کوئی فائدہ نہ پہنچے۔"

سبحان اللہ! سرکاری خزانے کے متعلق کتنا پاکیزہ اصول بیان فرما دیا۔

حسنِ انتظام

حضرت احنف بن قیس کی سرکردگی میں ایک وفد اہل بصرہ کا حاضر ہوا۔ اور اس نے امیر المومنین حضرت عمرؓ کی خدمت میں حسب ذیل عرضداشت پیش کی۔

"امیر المومنین۔ ہم ایک بنجر زمین میں آباد ہیں۔ اس کے مشرقی جانب کھاری سمندر ہے اور مغربی جانب بے آب وگیاہ میدان۔ ہمارے پاس مویشی ہیں نہ کھیت۔ اور نہ قریب میں پانی۔ وہ کوسوں سے پانی لانا پڑتا ہے۔ جو عورتیں اور ضعیف لوگ لاتے ہیں۔ عورتیں پانی بھرنے جاتی ہیں تو بچوں کو بکری کی طرح گھر میں باندھ جاتی ہیں۔ تاکہ وہ گھر سے باہر نہ نکلیں اور درندوں سے محفوظ رہیں۔ کیا آپ ہماری اس مشکل کو حل نہ فرمائیں گے!"

امیر المومنین نے اسی وقت حکم دیا کہ بصرہ کے بچوں کے وظیفے مقرر کر دیئے جائیں۔ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ جو حاکم بصرہ تھے ان کو لکھ بھیجا کہ بصرہ کے لئے نہر کھدوا دیں۔ چنانچہ وفد کامیاب و مسرور واپس لوٹا اور اس کی بستی کے لوگوں کی مشکلات دور ہو گئیں۔

رعایا کی خبر گیری

حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کو تشریف لے جا رہے تھے۔ اثنائے راہ میں ایک بڈھا ملا جس نے قافلے کو روک کر پوچھا۔

"تم میں رسول اللہ ہیں؟"

"نہیں۔ ان کا تو وصال ہو چکا۔" حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔ اس پہ بڈھا بے اختیار رونے لگا، پھر پوچھا

"رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بعد کون خلیفہ ہوا۔"

"حضرت ابوبکرؓ!" حضرت عمرؓ نے بتایا

"وہ تم میں ہیں؟ بڈھے نے پوچھا

"نہیں! ان کا بھی انتقال ہو گیا۔" حضرت عمرؓ نے جواب دیا۔

"ان کے بعد کون خلیفہ ہوا۔" بڈھے نے روتے ہوئے پوچھا

"عمر بن خطاب!" حضرت عمرؓ نے کہا۔

"وہ تم ہی ہیں؟" بڈھے نے کہا۔

"میں عمر بن خطاب ہوں" حضرت عمرؓ نے بتایا

"تو میری فریاد رسی کیجئے، مجھے کوئی ایسا آدمی نہیں ملتا جو میری ضروریات میں

میری مدد کرے۔" بڈھے نے کہا۔

"تم کون ہو۔ میں تمہاری فریاد رسی کروں گا۔ انشاء اللہ" حضرت عمرؓ نے فرمایا

"میرا نام ابوعقیل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دعوتِ اسلام دی۔ میں آپؐ پر ایمان لایا۔ آپؐ نے مجھے اپنے جوٹھے ستو پلائے اور میں اب تک بھوک اور پیاس میں اس کی لذت اور سیرابی کو محسوس کرتا ہوں۔ پھر میں نے بکریوں کا ایک گلہ لیا اور ان کو اب تک چراتا رہا، نماز پڑھتا ہوں اور روزہ رکھتا ہوں۔ مگر اس سال بدبختی نے ایک بکری کے سوا جس کا ہم لوگ دودھ پیتے تھے کچھ نہ چھوڑا۔ مگر اس کو بھی بھیڑیا اٹھا لے گیا۔ اب آپ میری دستگیری فرمایئے۔" بڈھے نے تفصیل کے ساتھ حضرت عمرؓ سے عرض کیا۔

"وہ تھوڑے فاصلے پر چشمہ ہے، تم ہم سے وہاں ملو۔" حضرت عمرؓ نے بڈھے کو ہدایت کی اور قافلہ روانہ ہو گیا۔ اور اونٹوں کی گھنٹیوں سے فضا لبریز ہو ہو گئی۔

منزل پر پہنچے تو حضرت عمرؓ ایک اونٹنی کی مہار پکڑے بڈھے کا انتظار کرتے رہے۔ لیکن جب اس کے آنے میں دیر ہوئی اور قافلے کی روانگی کا وقت آ گیا تو حضرت عمرؓ نے چشمے کے مالک کو بلا کر فرمایا کہ "ابوعقیل نامی ایک بڈھا آئے گا تم اس کو اور اس کے اہل و عیال کو کھلاتے پلاتے رہنا۔ یہاں تک کہ میں حج سے واپس آ جاؤں۔" اور قافلہ پھر آگے کو روانہ ہو گیا۔

حج سے فارغ ہو کر واپس لوٹے تو اس چشمے پر پہنچے اور اس کے مالک سے پوچھا ابو عقیل کہاں ہے جس کی خدمت کرنے کے لئے میں ہدایت کر گیا تھا۔

"امیر المومنین جب وہ آیا تو بخار میں مبتلا تھا۔ میں نے تین دن اس کی تیمارداری کی یہاں تک کہ وہ اپنے رب سے جا ملا۔ اور میں نے اس کی تجہیز و تکفین کر کے اس کو دفن کر دیا۔" اس نے بتایا۔

"اس کی قبر کہاں ہے"؟ امیر المومنین نے پوچھا۔

چشمے کے مالک نے ایک قبر کی نشاندہی کی، حضرت عمرؓ نے اس کی قبر پر نماز پڑھی اور اس سے لپٹ کر رو دئیے۔ اس کے بعد اس کے اہل و عیال کو ہمراہ لے گئے اور جب تک زندہ رہے ان کی کفالت کرتے رہے۔

رعایا کے حقوق کی دستاویز

ایک روز حضرت عمر رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور رعایا اور خلیفہ کے حقوق و فرائض کے متعلق ایک بلیغ و مفصل خطبہ دیا۔ ارشاد ہوا۔

"لوگو! کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں کہ معصیت الٰہی میں اطاعت کا مطالبہ کرے۔ اور نہ یہ جائز ہے کہ ایسے شخص کی اطاعت کی جائے۔"

اس کے بعد سرکاری خزانے میں تصرف کرنے کے بارے میں خلیفہ و حاکم کے فرائض کی توضیح کی اور فرمایا "صرف تین صورتیں ہیں جن کو اختیار کرنے سے یہ مال مال صالح ہو سکتا ہے۔ اول یہ کہ حق کے ساتھ وصول کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ حق میں تصرف کیا جائے۔ اور تیسرے یہ کہ ناجائز طریقے سے اسے خرچ نہ کیا جائے۔ میری اور تمہاری مثال یتیم اور اس کے ولی کی ہے، اگر متمول ہوں گا تو مسلمانوں کے مال سے کچھ نہیں لوں گا۔ ضرورتمند ہوں گا تو بقدر ضرورت لوں گا۔"

پھر انتظام حکومت کا اصول ان الفاظ میں بیان کیا۔

"میں کسی کو موقعہ نہیں دوں گا کہ وہ کسی پر ظلم کرے۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو میں ظالم کے چہرے کو اپنے پاؤں سے مسل دوں گا یہاں تک کہ وہ راہ راست پر آجائے۔"

مسلمانوں کے حقوق اپنی حکومت پر کیا ہیں اس کے متعلق فرمایا۔

"مجھ پر تمہارے چند حقوق ہیں۔ میں ان کو اس لیئے بیان کرتا ہوں کہ مجھ سے ان کا مطالبہ کر سکو۔

(۱) میرا فرض ہے کہ میں خراج اور خمس (ٹیکس) کا مال جائز طریقوں سے وصول کروں

(۲) میرا فرض ہے کہ جو مال (خزانہ) میرے ہاتھ میں آجائے اس کو صحیح مصارف میں صرف کروں۔

(۳) میرا فرض ہے کہ تمہارے وظائف کو بڑھاؤں۔ سرحدوں کی حفاظت کروں۔

(۴) اور میرا فرض ہے کہ تمہیں خطرے میں نہ ڈالوں۔

اس کے بعد اپنے عمال کو مخاطب کیا اور فرمایا

"اچھی طرح سن لو کہ میں نے تم کو ظالم و جبار بنا کر نہیں بھیجا۔ میں نے تم کو ہدایت کے رہنما بنا کر بھیجا ہے کہ لوگ تمہارے ذریعے سے سیدھی راہ پائیں پس فیاضی کے ساتھ مسلمانوں کے حقوق دو۔ نہ ان کو مارو کہ وہ ذلیل ہو جائیں۔ نہ ان کی مدح و ستائش کرو کہ انہیں تمہارے ساتھ گرویدگی نہ پیدا ہو۔ نہ ان کے سامنے اپنے دروازے بند رکھو کہ قوی ضعیف کو نگل جائے۔ اپنے کو ان پر ترجیح دے کر ان پر ظلم نہ کرو۔ ان کے ساتھ جہالت اور سختی سے پیش نہ آؤ۔ ان کے ذریعے کفار سے جہاد کرو۔ مگر مسلمانوں پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔ اگر وہ تھک جائیں تو رک جاؤ۔"

پھر مسلمانوں سے عام خطاب کیا اور فرمایا -

"مسلمانو! تم گواہ رہو کہ میں نے ان حکام کو صرف اس لئے بھیجا ہے کہ کہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں، ان پر مال غنیمت تقسیم کریں، ان میں عدل قائم کریں اور ان کے مقدمات کے فیصلے کریں اور اگر کوئی مشکل مسئلہ پیش آجائے اس کو میرے سامنے پیش کریں ۔"

خدمتِ خلق

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اپنے محلے کی ایک بیکس خاتون کی بکریوں کا دودھ دوہ دیا کرتے تھے۔ جب بارِ خلافت سے ان کے کندھے گرانبار ہو گئے تو اس خاتون کی لڑکی کو جو فکر دامنگیر ہوئی وہ یہ تھی کہ اب اس کی بکریاں کون دوہے گا حضرت ابو بکرؓ نے سنا تو اطلاع دی کہ تمہاری بکریاں میں دوہوں گا۔ خلافت مجھے خلقِ خدا کی خدمت گزاری سے باز نہیں رکھے گی۔

(۲)

مدینہ کے اطراف میں ایک نابینا اور ضعیف عورت رہتی تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ علی الصباح جا کر اس کی ضروری خدمات سر انجام دیتے تھے۔ کچھ دنوں کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی شخص ان سے بھی پہلے آ کر اس ضعیفہ کے کام کر جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ حیران تھے کہ وہ کون شخص ہو سکتا ہے۔ ایک روز وہ تحقیق حال کے لئے ذرا سویرے آئے تو دیکھا کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جو اس وقت خلیفہ تھے، اس ضعیفہ کی خدمت گزاری سے فارغ ہو کر جھونپڑے سے نکل رہے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ میری جان قربان! اے خلیفہ رسول کیا آپ ہی ہر روز سبقت کر جاتے ہیں۔

احتساب حکام

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی شخص کو حاکمیت کے منصب پہ مقرر کرتے تو اس سے عہد لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پہ سوار نہ ہوگا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا۔ باریک کپڑے نہ پہنے گا، دروازے پہ دربان نہ رکھے گا اور اہل حاجت کے لئے ہر وقت اپنا دروازہ کھلا رکھے گا۔

ان شرطوں کا مقصود یہ تھا کہ حکام کے اندر نہ کبر نفس پیدا ہو نہ عیش و تنعم کے عادی بنیں اور نہ ان کے اور عوام کے درمیان کوئی پردہ حائل ہو۔

ایک روز امیر المومنین کہیں جا رہے تھے۔ رستے میں آواز آئی

"اے عمر! کیا یہ معاہدے جو تم اپنے حکام سے لیتے ہو تمہیں نجات دلا سکیں گے"

حضرت عمر رک گئے اور کہنے والے سے پوچھا "تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تمہارا عامل عیاض بن غنم باریک کپڑے پہنتا اور دروازے پر دربان رکھتا ہے۔" اس شخص نے جواب دیا۔

حضرت عمرؓ نے محمد ابن مسلمہ کو جو احتساب کے کام پہ مامور تھے حکم دیا کر "عیاض بن غنم کو جس حال میں پاؤ پکڑ کر لے آؤ"

محمد بن مسلمہ گئے تو دیکھا کہ واقعی دروازے پر دربان موجود ہے۔ اندر داخل

ہوئے تو دیکھا کہ جسم پر باریک قمیص ہے۔ یہ دیکھ کر کہا "ابھی امیر المومنین کی خدمت میں چلو"۔

"اچھا ٹھہرو کہ بدن پر قبا ڈال لوں" عامل خلافت نے عرض کیا۔

"نہیں تمہیں اسی حالت میں چلنا پڑے گا" امیر المومنین کے محتسب نے کہا۔

چنانچہ اسی حال میں امیر المومنین کے سامنے حاضر ہوئے۔

حضرت عمرؓ نے اون کا ایک کرتا۔ ایک عصا اور بکریوں کا ریوڑ منگایا اور فرمایا "یہ قمیص اتار دو اور یہ کرتا پہن لو۔ یہ عصا لو اور یہ بکریاں چراؤ"۔

"امیر المومنین اس سے تو موت بہتر ہے"! عیاض گھبرا کر بولے

"گھبرانے کی بات نہیں تمہارے باپ کا نام غنم اسی لئے رکھا گیا تھا کہ وہ بکریاں چرایا کرتا تھا" امیر المومنین نے سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا۔ اور عامل حکومت کے اندر جو کمزوریاں پیدا ہو گئی تھیں ان کو اس طرح دور کر دیا۔

خلافت راشدہ میں بندگان خدا کو حقیقی امن و اطمینان نصیب ہی اس لئے تھا کہ عمال حکومت فرض شناس تھے اور امیر المومنین سختی سے ان کا احتساب کرتے اور ان کو بندوں کا خدا بننے سے باز رکھتے تھے۔

خلافت راشدہ کے دور سعادت میں جو حیثیت امیر المومنین کو حاصل تھی وہی حیثیت اب اسلامی حکومت کو حاصل ہے اور احتساب کے جو فرائض اس وقت امیر المومنین سر انجام دیتے تھے وہی فرائض اب اسلامی حکومتوں کو سر انجام

دینے چاہئیں کہ اسی طرح حکام میں مطلوب اوصاف پیدا ہوں گے۔

سلطنت کا نظام حاکموں اور عاملوں کے اخلاق فاضلہ پر چلتا ہے۔ بد اخلاق افسر بہت جلد حکومت کو عوام کی نگاہوں سے گرا دیتے ہیں۔ اگر وہ عیش پرست ہوں تو اپنی عیاشیوں کے لئے ظلم و فساد برپا کرتے، لوگوں کا مال لوٹتے ان کی آبرو کو خراب کرتے اور رشوت ستانی سے بندگان خدا کو ستاتے ہیں۔ خلافت راشدہ کے نظام حق کی بنیاد اس امر پر قائم تھی کہ عمال اخلاق فاضلہ کے پیکر ہوں، اور ان کے افکار اور خیالات تک پاکیزہ ہوں۔ اگر کسی شخص کے متعلق اس سلسلے میں ذرا سی بھی وجہ شکایت بھی پیدا ہوتی تو حضرت عمرؓ عامل کو معزول کر دیتے

(۲)

حضرت نعمان بن عدی رضی اللہ عنہ میسان کے عامل بنا کر بھیجے گئے۔ بی بی سے کہا کہ ہمراہ چلو، مگر اس نے ساتھ جانے سے انکار کر دیا۔ میسان پہنچ کر اپنی جان محبت بی بی کو ایک خط لکھا اور بے تابی فراق کے اظہار کے لئے چند اشعار اس میں لکھے۔

فمن مبلغ حسناء ان حلیلها ۔۔۔ بمیسان یسقی فی زجاج وحنتم

اس پیکر حسن کو میری طرف سے کون یہ پیغام پہنچائے گا کہ اس کا شوہر میسان میں ساغر و مینا سے شغل کر رہا ہے۔

اذا شئت غنتنی دھاقین قریتا ۔۔۔ وصناجۃ تحذو علی کل میسم

جب میں چاہتا ہوں تو بستی کے دہقان میرے لئے گیت گاتے اور ستار سے دل

بہلاتے ہیں۔

اذا کنت ندمانی فبالاکبر اسقنی ولا تسقنی بالاصغر المتثلم

جب تو میری ہم نشین بنے تو چھوٹے پیالوں سے نہ پلا، بڑے پیالے سے پلا

لعل امیر المومنین یسوءہ تنادمنا فی الجوسق المتھدم

اگر امیر المومنین کو میرے ان مشاغل کی اطلاع ملے تو شاید وہ ان کو ناپسند کریں۔

امیر المومنین اپنے عمال کا سختی سے جائزہ لیتے رہتے تھے۔ ان کو ان اشعار کی خبر ہو گئی اور دربار خلافت سے حضرت نعمان کے نام فرمان گیا کہ "تم نے تمہارا آخری شعر منافی الحقیقت ہے مجھے اس قسم کے مشاغل سخت ناگوار ہیں۔ اس خط کو تم اپنا معزولی کا پروانہ سمجھو۔"

نعمان معزول ہو کر آئے تو عرض پرداز ہوئے کہ

"امیر المومنین وہ تو محض ایک سخن گسترانہ بات تھی، یونہی چند اشعار زبان قلم پر جاری ہو گئے تھے، ورنہ میں کہاں اور شراب و رباب کہاں؟"

امیر المومنین نے فرمایا "تم صحیح کہتے ہو۔ تمہارے متعلق میرا بھی ایسا ہی خیال ہے۔ مگر تم عامل خلافت بنائے جانے کے اہل نہیں ہو۔"

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں اپنے معمول کے مطابق ہاتھ میں درہ لئے بازاروں میں گھومتے رہتے تھے اور لوگوں کو پرہیزگاری، بھلائی، حسن معاملہ اور ناپ تول پورا کرنے کی ترغیب دیتے پھرتے تھے۔

ایک خرما فروش کی دکان کے سامنے سے گزرے تو دیکھا کہ ایک لونڈی رو رہی ہے۔ اسلامی حکومت کا جلیل القدر امیر رک گیا اور پوچھا "تم کیوں رو رہی ہو؟"

"اس دوکاندار سے میں نے ایک درہم کی کھجوریں خریدی تھیں جب میں لے کر گھر پہنچی تو میرے آقا نے کہا کہ یہ کھجوریں واپس کر آؤ، یہ ناقص ہیں۔ مگر دکاندار واپس نہیں لیتا۔ اب میرا آقا مجھ پر خفا ہوگا۔ اس لیے میں رو رہی ہوں"۔ لونڈی نے اپنی داستان سناتے ہوئے کہا۔

"میاں دوکاندار جب کھجور اس کے مالک کو پسند نہیں تو کھجور لے لو اور دام واپس دے دو" حضرت علیؓ نے سفارش کرتے ہوئے فرمایا۔

"جائیے جائیے جناب۔ آپ کو اس معاملے میں بولنے کا کوئی حق نہیں" دوکاندار نے جواب دیا۔ جو نہیں جانتا تھا کہ وہ کس سے مخاطب ہے۔

اس پر ایک شخص نے دوکاندار سے کہا "جانتے ہو تم کس سے مخاطب ہو احمق، یہ امیرالمومنین ہیں" یہ سن کر دوکاندار گھبرا گیا اور اس نے کھجور واپس لے لی اور دام دے دیے اور عرض کیا:

"امیرالمومنین! مجھ سے خطا ہو گئی معاف کر دیجیے"۔

"اگر تم لوگوں کو ان کا حق پورا پورا دیتے رہو تو مجھ سے زیادہ تم سے کون راضی ہو سکتا ہے" حضرت علیؓ نے اس کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا۔ اور اس کو بتا دیا کہ اسلامی حکومت کی رضامندی کا معیار کیا ہے۔

اعتراف خدمات

ایک روز حضرت عمرؓ بازار سے گذر رہے تھے۔ ایک نوجوان عورت نے ان کا دامن پکڑ کر چہرا لیا اور کہا۔

"امیر المومنین! میرے شوہر کا انتقال ہو گیا اور اس نے چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں جو کسی کام کاج کے قابل نہیں اور کوئی کھیتی یا مویشی نہیں چھوڑے کہ ان کی آمدنی سے بسر اوقات ہو سکے۔ میں بچوں کو چھوڑ کر کوئی محنت مزدوری بھی نہیں کر سکتی۔ میں ڈرتی ہوں کہ ان کو درندے نہ کھا جائیں۔ امیر المومنین خفاف بن ایماء انصاری کی لڑکی ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حدیبیہ میں شریک تھے۔"

حضرت عمرؓ نے اس عورت کو وہیں ٹھہرنے کو کہا، اور خود تشریف لے گئے تھوڑی دیر کے بعد واپس آئے تو اس حالت میں کہ روم و فارس کے فاتح کے ہاتھ میں اونٹ کی نکیل تھی۔ اونٹ پر غلہ اور کپڑا لدا ہوا تھا۔

"اونٹ کی مہار تھامو اور اسے ہانک کر لے جاؤ" امیر المومنین نے اس عورت سے فرمایا۔

"امیر المومنین آپ نے اس کو بہت زیادہ دے دیا" ایک شخص نے حضرت

ثمرہ سے کہا۔

"ارے کم بخت اس کے باپ اور بھائی دونوں نے میرے سامنے مدتوں ایک قلعہ کا محاصرہ کیا اور اس کو فتح کر کے دم لیا۔ جو کچھ میں نے اس عورت کو دیا ہے وہ تو اس حسن خدمت کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔" امیر المومنین نے جواب دیا۔ اسلامی حکومت اپنے غازیوں اور شہیدوں کی خدمات کو فراموش نہیں کرتی۔

اسلامی حکومت میں ذمیوں کی حالت

(۱)

صحیح اسلامی حکومت قائم ہو تو اس میں غیر مسلم رعایا کی جان مال اور آبرو کی وہی قیمت ہوتی ہے جو مسلمانوں کی جان مال اور آبرو کی۔

بنی امیہ کے دور حکومت میں ذمیوں کے حقوق تلف ہو چکے تھے اور ذمیوں کا کیا سوال خود مسلمان بھی برسر اقتدار خاندان کے غلام ہو کر رہ گئے تھے۔ لیکن جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عہد رشد و ہدایت آیا اور اسلام کو بحرانوں سے نکل کر پھر اموی سلطنت کے در و بست پر اختیار نصیب ہوا تو ذمیوں کو پھر پورا امن نصیب ہوا۔

عمر بن عبدالعزیز نے ذمی کے خون کی قیمت مسلمان کے خون کے برابر قرار دی۔ ایک بار حیرہ کے ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے وہاں کے عامل کو لکھا کہ قاتل کو مقتول کے وارثوں کے حوالے کرو۔ وہ چاہیں قتل کریں چاہیں معاف کر دیں۔

عامل نے تعمیل ارشاد کی اور ذمیوں نے اس مسلمان کو قتل کر دیا۔

(۲)

جب حضرت عمر بن عبدالعزیز نے شاہی خاندان کے افراد سے مسلمانوں کی مغصوبہ زمینیں واپس لیں تو ذمیوں کی مغصوبہ زمینیں بھی واپس دلائیں۔ اس سلسلے میں ایک ذمی نے بارگاہ خلافت میں دعویٰ دائر کیا کہ عباس بن ولید نے میری زمین پر غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے۔

"تم اس ذمی کے دعویٰ کا کیا جواب دیتے ہو" عدل و حق کے علمبردار خلیفہ نے عباس سے پوچھا۔

"میرے باپ ولید نے مجھے یہ زمین جاگیر میں عطا فرمائی تھی" عباس نے جواب دیا۔ ذمی دسلامی عدل کا دلدادہ تھا۔ اس نے کہا "امیر المومنین میں آپ سے کتاب اللہ کے موافق فیصلہ چاہتا ہوں"۔ اس پر خلیفہ راشد نے عباس سے فرمایا۔

"عباس! خدا کی کتاب کے رو سے کسی ذمی کی زمین غصب کر کے جاگیر میں نہیں دی جا سکتی۔"

"یہ درست ہے مگر میرے پاس ولید کی سند موجود ہے آپ کو اپنے سے پہلے کے ایک خلیفہ کے فرمان کو بدلنے کا کیا حق ہے"؟ عباس نے دلیل دیتے ہوئے عرض کیا۔

"خدا کی کتاب ولید کی سند پر مقدم ہے۔ زمین ذمی کو واپس دی جاتی ہے۔" کتاب اللہ کے متبع خلیفہ کا جچا تلا جواب تھا۔

(۳)

دمشق میں ایک گرجا عرصے سے ایک مسلمان خاندان کے قبضہ میں چلا آتا تھا

جب عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے اور عیسائیوں کو معلوم ہوا کہ اب اس سلطنت میں بنی امیہ کی حکومت نہیں ہے بلکہ اسلام برسر اقتدار آگیا ہے تو انہوں نے امیرالمومنین کی خدمت میں گرجے کی واپسی کا دعویٰ دائر کردیا۔

حضرت عمر ابن عبدالعزیز نے مسلمانوں کو بلایا اور حقیقت دریافت کی انہوں نے جواب دیا "یہ گرجا ایک عرصے سے ہمارے قبضے میں ہے"

اسلام کے ترجمان خلیفۂ عادل نے فرمایا

"لیکن اسلام تم کو اجازت نہیں دیتا کہ تم غیر مسلموں کی عبادت گاہوں پر قبضہ کرو۔ گرجا عیسائیوں کو واپس کرو" اور ایک لمحے میں برسوں کی بے انصافی کا تدارک ہوگیا

آزادیٔ رائے

سب کو معلوم ہے کہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معزول کر دیا تھا۔ اس پر احمد بن حفص مخزومی نے جو حضرت خالد کے چچا زاد بھائی تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو برملا ٹوکا اور اعتراض کرتے ہوئے کہا

"اے عمر تم نے انصاف نہیں کیا۔ تم نے ایک ایسے عامل کو معزول کیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمایا تھا۔ تم نے ایک ایسی تلوار کو میان میں کر دیا جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھینچا تھا۔ تم نے ایک ایسے جھنڈے کو پست کر دیا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نصب کیا تھا تم نے قطع رحم کیا اور چچا زاد بھائی پر حسد کیا۔"

اعتراضات بے حد سخت تھے، لہجہ نہایت تلخ تھا۔ اور الزام بے حد سنگین اور مخاطب نہایت جلیل القدر، مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قطعاً ناگواری کا اظہار نہ کیا۔ اور جواب دیا تو صرف اس قدر کہ

"صاحبزادے کم سنی اور قرابت مندی کے باعث تمہیں اپنے چچا زاد بھائی کی حمایت میں غصہ آگیا۔"

یہی آزادیٔ رائے اور اس کو تحمل سے برداشت کرنے کے امتحانات تھے جو مسلمانوں کے عروج و اقبال کی دلیل

سیفٹی ایکٹوں کا عدم جواز

بنی امیہ کی حکومت جن حالات میں قائم ہوئی تھی اور بنی امیہ کے حکمران جس انداز سے حکومت اور جس قسم کی زندگی بسر کر رہے تھے، اس کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ لوگ ان کے مخالف ہوں اور وہ لوگوں سے خائف رہیں۔ اس عدم محبوبیت اور خوف زدگی کے باعث بنی امیہ اپنی حکومت کو قائم رکھنے کے لئے بات بات پر شدید سزائیں دیتے تھے۔ اور محض بدگمانی اور سوئے ظن پر داروگیر اور سزا کا سلسلہ قائم تھا۔ یہ صورت حال نہ صرف سیاسی امور میں تھی بلکہ عام انتظامی امور میں بھی۔ موصل میں چوریوں اور نقب زنی کی وارداتیں بکثرت ہوتی تھیں۔ اس خرابی کا انسداد کرنے کے لئے نظم و نسق کو درست کرنے کی بجائے وہاں کے والی یحیی غسانی نے امیرالمومنین کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ لوگوں کو شبہے پر گرفتار کر لینے اور سزا دینے کی اجازت دی جائے۔ لیکن اب تخت خلافت پر ایک جابر اموی خلیفہ نہیں بلکہ متبع اسلام حضرت عمر ابن عبدالعزیز خلیفہ راشد تھے انہوں نے جواب میں حکم دیا کہ

"صرف شرعی ثبوت پر مواخذہ کرو۔ اگر عدل و انصاف لوگوں کی اصلاح نہیں کر سکتا تو خدا ان کی اصلاح نہ کرے"

قومی عصبیت سے احتراز

اسلامی زندگی میں قوم، نسل اور قبیلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور نہ فخر و غرور اور تکبر کے لئے اس میں گنجائش ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک فوجی مہم در پیش تھی۔ اس غرض کے لئے مقام جرف میں فوجیں جمع ہوئیں۔ امیر المومنین فوجوں کا معائنہ کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔

ایک جگہ بنی فزارہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ حضرت صدیق کو دیکھ کر وہ تعظیم کے لئے کھڑے ہوئے آپ نے ان کو دعا دی اور مرحبا کہا۔ ان کے سرداروں نے کہا "اے خلیفۂ رسول! ہم گھوڑوں پر خوب چڑھتے ہیں۔ اس لئے گھوڑے بھی ساتھ لائے ہیں۔ بڑا جھنڈا ہمارے ساتھ کر دیجئے"۔

"خدا تمہاری ہمت اور تمہارے ارادوں میں برکت دے۔ مگر بڑا جھنڈا تمہیں نہیں مل سکتا کیوں کہ وہ بنو عبس کو دیا جا چکا ہے۔" خلیفہ رسول نے فرمایا۔

یہ سن کر ایک فزاری کو جوش آ گیا اور اس نے کہا۔

"ہم بنی فزارہ بنو عبس سے اچھے ہیں۔ جھنڈا ہمیں ملنا چاہیئے"۔

"خاموش رہو۔ تم سے ہر عبسی اچھا ہے"۔ حضرت ابوبکر نے سرزنش کرتے ہوئے فرمایا۔ بنو عبس نے سنا تو وہ بھی قومی عصبیت میں کچھ کہنا

چاہتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے ان کو بھی ملامت کر کے خاموش کر دیا۔ اور قومی عصبیت اور نسلی غرور میں مبتلا ہونے سے روک دیا۔

قتل مسلم سے اجتناب

(۱)

حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ۔ کو حجاج نے ایک ایسے شخص کے قتل کرنے کا حکم دیا جو قاتلین عثمانؓ کے معاونوں میں تھا۔ حضرت سالم تلوار لے کر اس شخص کی طرف بڑھے اور پاس جا کر پوچھا تم مسلمان ہو! اس نے کہا

"ہاں میں مسلمان ہوں مگر آپ کو جو حکم دیا گیا ہے اسے پورا کیجئے"۔

سالم ۔ تم نے آج صبح کی نماز پڑھی ہے ؟

مجرم ۔ ہاں پڑھی ہے !

سالم نے تلوار پھینک دی اور حجاج سے کہا۔ "یہ شخص مسلمان ہے ۔ اس نے آج صبح تک نماز پڑھی ہے ۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص نے صبح کی نماز پڑھ لی وہ خدا کی امان میں آگیا"۔

حجاج ۔ ہم اس کو صبح کی نماز کے لئے تو قتل نہیں کرتے ۔ بلکہ اس لئے کہ یہ قاتلین عثمانؓ کے معاونوں میں تھا ۔

سالم ۔ اس کے لئے اور لوگ موجود ہیں ، جو عثمانؓ کے خون کا انتقام لینے کے لئے ہم سے زیادہ حقدار ہیں ۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سنا تو کہا۔ ظالم نے ہمیں داڑھی کا کام کیا۔
اس واقعے کے سلسلے میں یہ شبہ نہ ہو کہ شخص مذکور قتل کا مجرم تھا۔ اگر وہ قاتل ہوتا تو اس کا خون اسلام میں حکومت پر حلال تھا۔ مگر صورت واقعہ یہ تھی کہ اس پر قاتلین عثمان میں شریک ہونے کا شبہ تھا

(۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین صفین کا معرکہ جنگ نہایت عظیم الشان معرکہ جنگ تھا۔ اکثر صحابہ و تابعین نے اس میں حصہ لیا۔ لیکن کچھ ایسے حضرات بھی تھے۔ جو اس خانہ جنگی میں اپنے ہاتھ آلودہ کرنے کے لئے تیار نہ ہوئے۔ ان میں ایک ابوالعالیہ ریاحی بھی تھے۔ جو ایک ممتاز تابعی ہیں۔

اس زمانے میں یہ جوان تھے اور جنگ کو نہایت محبوب رکھتے تھے۔ چنانچہ جنگ کی پوری تیاری کر کے میدان جنگ میں پہنچے۔ دونوں طرف ایسی عظیم الشان فوجیں تھیں کہ ان کے سرے نظر نہیں آتے تھے۔ تا حد نظر فوجیں ہی فوجیں پھیلی ہوئی تھیں۔

ابوالعالیہ ریاحی میدان جنگ میں پہنچے تو انہوں نے عجیب منظر دیکھا جب ایک فریق اللہ اکبر کا نعرہ مارتا اور کلمۂ توحید کا ورد کرتا تو دوسرا بھی تکبیر و تہلیل میں اس کا جواب دیتا۔ ابوالعالیہ سوچنے لگے کہ یا اللہ ان میں کس فریق کو

مومن اور کس کو کافر سمجھوں۔ کس کا ساتھ دوں اور کس کے خلاف جنگ کروں میں جنگ کے لیے مجبور تو نہیں ہوں۔ یہ سوچا اور شام سے پہلے پہلے لوٹ گئے۔

(۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جس زمانے میں جنگ ہو رہی تھی مسروق بن اجدع جو یمن کے مشہور شہسواروں میں تھے فریقین میں سے کسی کے ساتھ نہیں تھے۔ قادسیہ کی مشہور جنگ میں وہ اور ان کے تین بھائی شریک تھے۔ تینوں بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے تھے۔ مسروق کا ہاتھ تلوار چلاتے چلاتے شل ہو گیا تھا اور سر میں گہرا زخم آیا تھا۔ جس کا نشان باقی رہ گیا اور اسے وہ اپنی شجاعت اور جہاد فی سبیل اللہ کی یادگار کے طور پر نہایت محبوب رکھتے تھے۔ لیکن میدان جہاد کے دھنی ہونے کے باوجود جب خانہ جنگی کا سلسلہ شروع ہوا تو وہ اس سے بچنے کے لیے کوفہ چھوڑ کر قزوین چلے گئے۔

وہ حضرت علیؓ کو حق پر سمجھتے تھے۔ اس لیے ان کی علیحدگی پر تعجب کرتے ہوئے ایک شخص نے پوچھا۔

"آپ نے حضرت علیؓ کا ساتھ کیوں نہیں دیا؟"

مسروق نے کہا "میں تم سے خدا کا واسطہ دے کر ایک سوال کرتا ہوں۔"

پوچھنے والے نے کہا فرمایئے۔ مسروق نے فرمایا "فرض کرو جب تم لوگ ایک

دوسرے کے مقابل صف آرا ہوں اور فریقین تلواریں سونت کر ایک دوسرے کو قتل کرنے ہی والے ہوں تو یکایک آسمان میں ایک دروازہ کھلے اور اس میں سے ایک فرشتہ اتر کر دونوں صفوں کے درمیان آکر اعلان کرے۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ولا تقتلوا انفسکم۔ ان اللہ کان بکم رحیماہ

(اے ایمان والو ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ، بلکہ وہ مال کھاؤ جو آپس کی رضامندی سے تجارت کے ذریعے حاصل کیا گیا ہو، اور آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔)

تو بتاؤ فریقین یہ اعلان سن کر کیا کریں گے۔

"فریقین جنگ سے ہاتھ روک لیں گے"۔ پوچھنے والے نے اقرار کیا۔

"تو خدا کی قسم تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ خدا آسمان کا دروازہ کھول چکا اور اس میں سے ایک فرشتہ اتر کر ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے یہ حکم سنا چکا۔ یہ حکم قرآن میں موجود ہے اور اس کو کسی دوسرے حکم نے منسوخ نہیں کیا۔

پوچھنے والے کا دل مطمئن ہو چکا تھا۔ اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ مسروق کیوں جنگ سے علیحدہ رہے۔

احترام مسلم

حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے معمول کے مطابق ایام خلافت میں چھوٹی آستین اور اونچے دامن کا کرتا پہنے اور معمولی کپڑے کا تہبند باندھے بازار میں جا رہے تھے۔ امیرالمومنین کو دیکھ کر ایک شخص رک گیا اور پھر تعظیم کے طور پر ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔

حضرت علیؓ نے اس سے کہا "میرے برابر برابر چلو"۔

"امیرالمومنین میں احترام و تعظیم کے طور پر آپ کے پیچھے چل رہا ہوں"۔ اس شخص نے عذر کرتے ہوئے عرض کیا۔

"احترام و تعظیم کا یہ طریقہ درست نہیں۔ اس میں والی کے لئے فتنہ اور مومن کے لئے ذلت ہے"۔ امیرالمومنین نے فرمایا۔ اور اس شخص کو اپنے برابر چلنے پر مجبور کر دیا۔

صلح وصفائی

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ میں کسی مسئلے پر گفتگو ہو رہی تھی۔ اتفاق سے حضرت ابوبکر کی زبان سے کوئی درشت کلمہ نکل گیا۔ بعد میں احساس ہوا اور ندامت دامن گیر ہوئی۔ اور حضرت عمر سے معافی مانگی۔ لیکن ان کو اس درشت بات سے رنج پہنچا تھا۔ انھوں نے معاف کرنے سے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر سخت پریشان ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جا کر عرض کیا کہ عمر کو میری ایک بات سے رنج پہنچا ہے ان سے معافی دلا دیجیئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دینے کے لئے فرمایا "خدا تمہاری مغفرت فرمائے"۔ صحابہ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس قسم کی دعائیں نہایت محبوب اور موجب طمانیت تھیں

بعد میں حضرت عمر بھی اپنے انکار پر پشیمان ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت پہنچے دیکھا کہ چہرۂ اقدس پر برہمی کے آثار ہویدا ہیں۔ حضرت ابوبکر نے عاجزی کے ساتھ عرض کیا کہ حضور غلطی میری تھی۔ اور دونوں دوستوں کے دل کا غبار جاتا رہا۔

مسلمانوں میں صلح کرانا

"فاصلحوا بین اخویکم" ارشاد الٰہی ہے مسلمانوں میں صلح کرانا ایک اسلامی فریضہ ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو اس وقت جو اختلاف امت میں پیدا ہو گیا تھا اس نے جنگ جمل کی صورت اختیار کر لی۔ ایک طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے اور دوسری طرف حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہم صف آرا تھے۔ حضرت کعب بن سور جن کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بصرہ میں قاضی مقرر فرما رکھا تھا۔ اس خانہ جنگی کو دیکھ کر خانہ نشین ہو گئے اور کھانے پینے کا سامان لینے کے لئے ایک سوراخ بنا لیا۔

لوگوں نے حضرت عائشہ رضی سے کہا کہ اگر کعب آپ کے ساتھ ہو جائیں تو پورا قبیلہ ازد آپ کے ساتھ ہو جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی کعب کے مکان پر تشریف لے گئیں اور ان سے گفتگو کرنی چاہی مگر انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اس پر حضرت عائشہ رضی نے کہا۔

"کعب کیا میں تمہاری ماں نہیں ہوں اور تم پر میرا حق نہیں ہے؟"

حضرت کعب نے عرض کیا "میں حاضر ہوں فرمائیے کیا ارشاد ہے؟"

"میں چاہتی ہوں کہ تم لوگوں کو سمجھا بجھا کر اصلاح و مصالحت کی کوشش کرو"۔ ام المؤمنین نے فرمایا۔

حضرت کعب نے کہا "بسر و چشم" اور قرآن لے کر لوگوں کو سمجھانے کیلئے نکلے۔ جب دونوں فوجیں بالمقابل ہوئیں تو کعب صفوں کے درمیان گھس گئے اور قرآن کھول کر لوگوں کو سمجھانے اور کتاب الٰہی کی طرف بلانے لگے۔ لیکن حالات بے حد خراب ہو چکے تھے۔ جنگ شروع ہو گئی اور کعب صلح کی کوشش میں شہید ہو گئے۔

بے لاگ عدل

(۱)

قاضی شریح بن حارث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے کے قاضی تھے۔ بے لاگ عدل ان کا شعار تھا۔ اس معاملے میں وہ نہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی پروا کرتے تھے اور نہ اپنے کسی قریبی و عزیز کی۔ قاضی مقرر ہونے سے پہلے بھی وہ بے لاگ فیصلہ دینے میں مصروف تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے ایک گھوڑا خریدا مگر شرط یہ کی کہ اگر گھوڑا امتحان میں پورا اترا تو خریدوں گا۔

سوئے اتفاق کہ امتحان میں گھوڑا داغی ہو گیا اور حضرت عمر نے واپس کرنا چاہا۔ اس پر نزاع ہوئی۔ حضرت شریح بن حارث کو ثالث بنایا گیا۔ انھوں نے فیصلہ دیا کہ

"امیر المومنین جو گھوڑا آپ نے خریدا ہے اسے لے لیجیے۔ یا جس حالت میں لیا تھا اسی حالت میں واپس کیجیے۔"

حضرت عمر نے یہ فیصلہ سنا تو ان کے بے لاگ عدل اور صحیح قوت فیصلہ کو دیکھ ان کو کوفے کا قاضی مقرر کر دیا۔

(۲)

قاضی شریح کے لڑکے نے ایک ملزم کی ضمانت کی۔ ملزم بھاگ گیا۔ انہوں نے اپنے لڑکے کو اس کے بدلے میں قید کر دیا۔ ایک مرتبہ ان کے اردلی نے ایک شخص کو کوڑوں سے پیٹا۔ قاضی شریح نے اس شخص سے اپنے اردلی کو کوڑے لگوائے۔

(۳)

قاضی شریح بن حارث کے خاندان کے ایک آدمی نے کسی شخص پر کچھ زیادتی کی تھی۔ ان کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ انہوں نے اپنے خاندان کے آدمی کو مجرم پاکر بطور سزا ایک ستون سے بندھوا دیا۔ جب فیصلہ کر کے اٹھے تو ان کے رشتہ دار نے کچھ کہنا چاہا۔ قاضی صاحب نے فرمایا

"مجھ سے کچھ کہنے سننے کی ضرورت نہیں۔ میں نے تمہیں قید نہیں کیا ہے بلکہ تمہیں حق نے قید کیا ہے"

(۴)

قاضی شریح بن حارث کے ایک لڑکے اور چند اشخاص کے درمیان ایک معاملے میں کچھ جھگڑا تھا۔ لڑکے نے اپنے والد کو واقعات بتا کر پوچھا۔ "ابا جان! یہ واقعات مقدمہ ہیں۔ اگر میرا حق نکلتا ہو اور مقدمے میں کامیابی کی امید ہو تو میں دعویٰ کر دوں۔ ورنہ خاموش رہوں"

"تم دعویٰ کردو" باپ نے مقدمے کی نوعیت پر غور کرنے کے بعد جواب دیا۔
لڑکے نے دعویٰ دائر کر دیا۔ اور مقدمہ قاضی صاحب کی عدالت پیش ہوا۔
اپنے لڑکے اور فریق ثانی کے بیانات سننے کے بعد آپ نے فیصلہ دیا اور وہ
اپنے لڑکے کے خلاف تھا۔

عدالت کو برخاست کر کے جب گھر واپس آئے تو بیٹے نے کہا۔

"ابا جان آپ نے مجھ پر بڑا ظلم کیا۔ میں نے دعویٰ کرنے سے پہلے آپ
سے مشورہ اسی غرض سے کیا تھا کہ اگر کامیابی کی امید ہو تو عدالت کا دروازہ
کھٹکھٹاؤں ورنہ خاموش رہوں۔ آپ نے دعویٰ دائر کرنے کا مشورہ دیا اور پھر
فیصلہ میرے خلاف کر دیا۔ اور اس طرح مجھے خواہ مخواہ ذلیل کیا۔"

فرض شناس اور عدل پرور باپ نے جواب دیا۔

جان پدر! تم مجھے روئے زمین کے ان جیسے تمام آدمیوں سے زیادہ عزیز ہو
لیکن اللہ تعالیٰ تم سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ جب تم نے مجھ سے مشورہ کیا تھا۔
اور صورت مقدمہ پیش کی تھی تو میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ تیرے مخالف حق پر
ہیں۔ اب اگر میں تم کو بتا دیتا کہ حق ان کا نکلتا ہے تو تم ان سے صلح کر بیٹھتے اور
ان کا حق ضائع ہو جاتا۔ یہاں نے حق کو حقدار تک پہنچانے کے لئے تم کو مشورہ
دیا۔ اور تمہیں خوش ہونا چاہیئے کہ تم ایک ناحق مال پر قابض رہنے سے
نجات پا گئے!"

(۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ کہیں گر پڑی۔ ایک ذمی یہودی نے اٹھا لی۔
حضرت علی کو معلوم ہو گیا اور قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔
قاضی شریح۔ ”علی کہتے ہیں کہ یہ زرہ جو تمہارے پاس ہے ان کی ہے۔“
یہودی۔ ”ان کا دعویٰ غلط ہے“
”مگر تمہارے پاس اس امر کا کیا ثبوت ہے کہ زرہ تمہاری ہے“ قاضی صاحب
نے پوچھا۔
”ثبوت یہ ہے کہ زرہ میرے قبضے میں ہے“۔ یہودی نے برجستہ جواب دیا۔
قاضی صاحب حضرت علیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا
”امیر المومنین۔ فرمائیے آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ زرہ آپ کی ہے؟ اور یہ گر
گئی تھی۔ کوئی شہادت اس بارے میں ہے؟“
امیر المومنین ”میرا لڑکا حسن اور میرا غلام قنبر اس بات کے گواہ ہیں کہ یہ زرہ میری
ہے اور کہیں گر گئی تھی۔“
قاضی۔ ”حسن آپ کے صاحبزادے ہیں۔ اور قنبر آپ کا غلام۔ میں باپ کے
حق میں لڑکے کی شہادت اور آقا کے حق میں غلام کی شہادت قبول نہیں کر سکتا۔
کوئی اور گواہ لائیے۔“
امیر المومنین۔ ”آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سنا کہ حسن اور

حسین جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ کیا ان کی شہادت بھی قابل اعتبار نہیں"

قاضی۔ " سنا ہے۔ مگر یہ معاملہ شہادت کے اصول کا ہے۔ اگر شخصیت کی بنا پر فیصلہ کرنا ہوتا تو خود آپ کا دعویٰ ہی کافی تھا"

امیرالمومنین " بہتر ہے میں زرہ کے دعوے سے دستبردار ہوتا ہوں"

یہ ماجرا دیکھ کر یہودی پکار اٹھا۔

" قاضی صاحب! میں ایک سچی بات کا اقرار کرنا چاہتا ہوں۔ یہ زرہ فی الواقع امیرالمومنین کی تھی۔ میں اس کا اقرار کرتا ہوں۔ آپ نے امیرالمومنین کے خلاف فیصلہ کیا اور انہوں نے بلا چون وچرا اسے تسلیم کر لیا۔ فی الواقع آپ لوگوں کا دین اسلام برحق ہے اور میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے سچے رسول تھے (اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد ان محمد رسول اللہ)"

یہودی کے قبول اسلام پر حضرت علیؓ کو اتنی مسرت ہوئی کہ انہوں نے یہودی کو زرہ عطا فرما دی اور فرمایا " میں یہ زرہ اپنی طرف سے تمہارے قبول اسلام کی یادگار میں تمہیں دیتا ہوں"

اللہ اکبر! وہ بھی کیا خوب لوگ تھے!

عدل پروری

جراح بن عبداللہ بن حکمی خراسان کا گورنر تھا۔ خراسان کے لوگوں کی روش نہایت خراب تھی۔ گورنر نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی خدمت میں اس صورت حال کا تذکرہ لکھ بھیجا اور کہا کہ

"ان لوگوں کو کوڑے اور تلوار کے علاوہ اور کوئی شے درست نہیں کر سکتی۔ اگر امیر المومنین مناسب تصور فرمائیں تو اجازت مرحمت کریں"

امیر المومنین نے جواب میں لکھا

تمہارا یہ لکھنا بالکل غلط ہے کہ اہل خراسان کو کوڑے اور تلوار کے سوا کوئی شے درست نہیں کر سکتی۔ انسانوں کو عدل و انصاف ہی درست کر سکتا ہے۔ اسی کو عام کردو"

یہ تھا وہ فلسفہ امن جو اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا۔ مگر مسلمانوں نے بعد میں غیر مسلموں سے ایک دوسرا فلسفہ سیکھا اور اسے اختیار کر لیا۔ اور پھر خود مسلمانوں کے خون سے زمین کو لالہ زار بنا دیا۔

عدل و مساوات

(۱)

جمعہ کا دن تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے منبر پر سے اعلان فرمایا کہ آج میں صدقے کے اونٹ تقسیم کروں گا۔ سب لوگ آئیں مگر اجازت لیے بغیر ہمارے پاس کوئی نہ آئے۔

یہ سن کر ایک عورت نے اپنے شوہر سے کہا "یہ اونٹ کی مہار لو اور خلیفہ رسولؐ کی خدمت میں جاؤ۔ ممکن ہے ہمیں بھی ایک اونٹ مل جائے"۔

وہ شخص مہار لیے ہوئے آیا۔ مگر بلا اجازت بارگاہ خلافت میں چلا گیا۔ حضرت ابو بکر نے بطور تادیب اسی مہار سے اس کو مارا۔ جب اونٹوں کی تقسیم سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ "اس شخص کو بلاؤ جسے مہار سے مارا تھا"

وہ ڈرتا ڈرتا آیا۔ خلیفۃ الرسولؐ نے فرمایا۔

"میں نے تمہیں اس مہار سے مارا تھا۔ تم بھی اسی مہار سے اپنا قصاص لے لو"

حضرت عمرؓ پاس موجود تھے۔ انہوں نے کہا "خلیفۃ الرسول یہ رسم قائم نہ کیجیے آپ نے بلا وجہ تو نہیں مارا تھا۔ بلکہ حکم کی خلاف ورزی پر سزا دی تھی"۔

"یہ صحیح ہے۔ مگر قیامت میں اگر اس کا محاسبہ ہوا تو خدا کو کیا جواب دوں گا"

عدل و مساوات کی یہی رسم تھی جس کے باعث عہد خلافت کا ہر فرد اپنی خودی کو بیدار اور اپنی عزت کو محفوظ پاتا تھا۔ قومیں اسی وقت تک معزز رہتی ہیں جب تک ان کا ہر فرد خود کو معزز محسوس کرتا ہے۔ جب عمال حکومت عوام کو مار پیٹ سے ذلیل کر دیتے ہیں تو ان کی خودی مر جاتی ہے اور وہ اقوام غیر کا شکار آسانی سے بن جاتے ہیں۔

(۲)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں حج ہو رہا تھا۔ بندگان خدا کا ہجوم بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا۔ اللھم لبیک لا شریک لک لبیک کی صداؤں سے فضا گونج رہی تھی۔ شاہ و فقیر یکساں جوش و عقیدت سے اللہ کے گھر کے گرد پروانہ وار گھوم رہے تھے۔

جبلہ بن ایہم غسانی جو شام کے قبیلۂ غسان کا بادشاہ تھا اور اب مسلمان ہو کر حج کو آیا ہوا تھا، اسی ہجوم میں شامل تھا۔ اس کے پیچھے ایک بدوی اپنے والہانہ انداز میں اللہ کو یاد کرتا ہوا جا رہا تھا۔ اتفاق سے غسانی رئیس کی قبا کے لٹکے ہوئے دامن پر بدوی کا پاؤں پڑ گیا۔ رئیس کو غصہ آ گیا۔ اس نے مڑ کر ایک طمانچہ بدوی کے منہ پر رسید کیا جس نے اس غریب کی ایک آنکھ بیٹھ گئی۔

مقدمہ امیر المومنین کی عدالت میں پیش ہوا۔

امیر المومنین نے جبلہ کیا یہ صحیح ہے کہ تم نے اس بدوی کو طمانچہ مارا
"ہاں امیر المومنین! اس نے میرے کپڑوں پر پاؤں رکھ دیا تھا اس لئے میں نے اسے اس گستاخی کی سزا دی" جبلہ نے تن کر جواب دیا۔
"تو یہ شخص بھی اسی طرح قصاص میں تمہارے منہ پر طمانچہ مارے گا"
امیر المومنین نے فیصلہ صادر کرتے ہوئے فرمایا۔
جبلہ (حیرت سے) "اللہ اکبر! کیا اس حقیر بدوی کی آنکھ اور میری آنکھ برابر ہے؟"
امیر المومنین :- "بے شک! اللہ کا بندہ ہوتے ہی تم دونوں برابر ہو اور قانون اسلامی کی نگاہ میں یکساں ہو۔ اور اللہ کے دین کی نظر میں شاہ و گدا برابر ہیں"
"تو مجھے ایک دن کی مہلت عنایت فرمایئے" جبلہ نے عاجز ہو کر کہا۔
امیر المومنین: "بہتر ہے۔ کل تک یا تو اس بدوی کو پیش ہونے والے قصاص سے دستبردار ہونے پر رضا مند کر لو، یا پھر کل تمہاری آنکھ اس بدوی کی آنکھ کے بدلے میں لے لی جائے گی۔"

جبلہ دربار خلافت سے نکلا، اور یہ کہہ کر فرار ہو گیا کہ "جس ملک میں یہ اندھیر ہے کہ ملک بادشاہ اور بدوی گدا دونوں کی نظر میں برابر سمجھا جاتا ہے۔ میں اس میں نہیں رہوں گا۔" جبلہ بھاگ گیا اور اس نے اپنے غرور نفس کے بدلے میں اپنی آخرت برباد کر لی لیکن خلافت اسلامی کا سر افتخار خدا اور بندوں کی نگاہ میں بلند ہو گیا اور نوع انسانی کے لئے قیامت تک کے لئے اس کے سامنے خم ہو گئے۔

قانون کی حکمرانی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خلافت راشدہ میں عدل و انصاف کا جو دور دورہ قائم کیا تھا، اس کی بنیاد "قانون کی حکمرانی" پر تھی۔ جسے عہد حاضر میں "Rule of Law" کہتے ہیں۔ اور اس میں چھوٹے بڑے اور افسر اور غیر افسر کا کوئی امتیاز نہیں تھا۔

حج کے موقع پر حسب معمول تمام صوبوں کے گورنر موجود تھے۔ امیر المومنین نے اعلان کیا "اگر کسی شخص کو عمال حکومت سے کوئی شکایت ہو تو پیش کرے۔"

اس اعلان کو سن کر ایک شخص کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا۔

"امیر المومنین آپ کے عامل مصر عمرو بن العاص نے مجھے سو کوڑے بلا وجہ مارے ہیں۔"

"عمرو کیا یہ شخص سچ کہتا ہے؟" امیر المومنین نے حضرت عمرو بن العاص سے پوچھا۔

"جی ہاں امیر المومنین" عمرو بن العاص نے جواب دیا۔

"کیا تم بھی قصاص میں سو کوڑے مارنا چاہتے ہو؟" امیر المومنین نے مستغیث سے پوچھا۔

"بے شک" اس نے عرض کیا۔

"عمرو کوڑے کھانے کے لئے تیار ہو جاؤ"۔ پیکر عدل امیر المومنین نے ارشاد کیا۔

"امیر المومنین! یہ امر عمال پر گراں گزرے گا۔ اور آئندہ کے نظیر قائم ہو جائے گی تو نظم حکومت قائم رکھنا مشکل ہو جائے گا۔" عمرو بن عاص نے تدبر و سیاست کا ایک راز بتاتے ہوئے عرض کیا۔

"نظم حکومت ظلم اور سختی پر نہیں بلکہ عدل و انصاف پر قائم ہوتا ہے۔ جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قصاص لیا گیا تو تم کون ہوتے ہو؟" امیر المومنین نے ڈانٹ کر فرمایا۔

"اگر میں مستغیث کو راضی کر لوں تو قصاص سے بچ جاؤں گا؟" عمرو بن عاص نے دریافت کیا۔

"ہاں اگر یہ شخص تمہیں معاف کر دے تو سزا سے بچ سکتے ہو۔" امیر المومنین نے فیصلہ دیتے ہوئے فرمایا۔

عمرو بن العاص نے دو اشرفی فی تازیانہ پر مستغیث کو راضی کر لیا۔ اور مصر کے گورنر کی پشت سو کوڑوں کی مار سے بچ گئی۔ یہی وہ عدل و انصاف تھا جس پر اسلامی سلطنت کے زمین و آسمان قائم تھے۔ یہ بات معلوم رہنی چاہئے کہ یہ شخص مسلمان نہیں بلکہ ایک ذمی تھا۔

حق پسندی

حکومت و امارت ایک ایسا نشہ ہے کہ اس میں آدمی کو حق بات سننے کی تاب نہیں رہتی۔ لیکن اسلامی زندگی کی بنیاد ہی حق گوئی اور حق پسندی پر ہے۔ اسلامی ریاست کے امراء اپنی قوم کے اندر حق گوئی کے جذبے کو نہ صرف زندہ رہنے دیتے تھے بلکہ اسے اور ابھارتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک روز منبر پہ چڑھے۔ گرد و پیش صحابہ کا مجمع تھا اثنائے تقریر میں یکایک آواز کو بلند کر کے بولے۔ "اگر میں دنیا کی طرف جھک جاؤں تو تم کیا کرو گے؟"

یہ سنتے ہی ایک شخص کھڑا ہو گیا۔ اس نے میان سے شمشیر آبدار کھینچی اور کہا۔

"اس تلوار سے تمہارا سر اڑا دیں گے۔"

"تو میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے۔" امیر المومنین نے ڈانٹ کر کہا۔

"ہاں ہاں امیر المومنین تمہاری شان میں۔" اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

یہ جواب سن کر حضرت عمر نے فرمایا۔ "الحمد للہ! میری قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ اگر میں ٹیڑھا چلوں گا تو مجھے سیدھا کر دیں گے۔"

(۲)

حضرت ابووائل بن سلمہ ایک مجاہد تابعی تھے۔ اموی عہد میں بڑی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے۔ امیت کا مشہور سفاک حجاج بھی ان پر مہربان تھا۔ مگر وہ اس کے اعمال سے بیزار تھے۔ جب وہ کوفہ آیا تو اس نے ابووائل کو بلا بھیجا۔

حجاج ۔ آپ کا نام کیا ہے؟

ابووائل ۔ تم کو معلوم ہی ہوگا۔ ورنہ مجھے بلاتے کیسے!

حجاج ۔ اس شہر میں کب آئے؟

ابووائل ۔ جب اس شہر کے تمام باشندے آئے!

حجاج ۔ آپ کو کتنا قرآن یاد ہے۔؟

ابووائل ۔ اتنا کہ اگر اس پر عمل کروں تو میرے لئے کافی ہو!

حجاج ۔ میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ آپ کو کوئی عہدہ دینا چاہتا ہوں۔

ابووائل ۔ کونسا عہدہ!

حجاج ۔ سلسلہ (قید کرنے) کا۔

ابووائل ۔ یہ عہدہ ان لوگوں کے لئے موزوں ہے جو ذمہ داری کے ساتھ اس کو سرانجام دے سکیں۔ اور میں اس کے لئے قطعاً موزوں نہیں۔

حجاج ۔ نہیں آپ کو یہ عہدہ قبول کرنا پڑے گا۔

ابو وائل۔ اگر تم مجھے اس سے معاف رکھو تو بہتر ہے، اگر اصرار کروگے۔ تو اسے قبول کر لوں گا۔ مگر اپنے دل کی کیفیت بتا دینا چاہتا ہوں۔

حجاج۔ کہئے۔

ابو وائل۔ میری حالت یہ ہے کہ میں تمہارا کوئی عہدہ دار نہیں۔ مگر جب تمہارا تصور آتا ہے تو راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے۔ جب عہدہ دار ہوں گا تو کیا حال ہوگا

حجاج۔ کیا سبب!

ابو وائل۔ لوگ تم سے اس قدر خائف ہیں کہ اس سے قبل کسی امیر سے نہ ہوئے ہوں گے۔

حجاج۔ (ہنسکر) اس کی وجہ یہ ہے کہ خونریزی میں کوئی شخص مجھ سے زیادہ جری نہیں۔ میں ایسے ایسے اہم کام کر گذرا ہوں کہ ان کا تصور کرتے ہوئے بھی لوگ ڈرتے تھے۔ اسی سختی کی وجہ سے میری مشکلیں آسان ہو گئیں۔ خیر۔ خدا آپ پہ رحم کرے۔ اب آپ جائیے۔ اگر کوئی اور موزوں آدمی نہ ملا تو آپ کو زحمت دوں گا۔

ابو وائل اٹھ کر چلے آئے اور پھر کبھی حجاج کے پاس نہ گئے۔

ابو وائل کو جہاد کا بہت شوق تھا۔ دنیا سے کوئی تعلق نہ تھا۔ رہنے کے لئے معمولی چھپر کا ایک جھونپڑا تھا۔ جس میں وہ اور ان کا رفیق جہاد گھوڑا رہتا تھا۔ جہاد کو جاتے تو چھپر اکھاڑ دیتے واپس آتے تو پھر بنا لیتے۔

(۳)

یزید بن ابی حبیب جو مصر کے ایک ممتاز حافظ حدیث تھے۔ ایک مرتبہ بیمار پڑے۔ عیادت کے لئے امیر مصر حوثرہ بن سہیل حاضر خدمت ہوا۔ اور کہنے لگا۔ "حضرت ایک مسئلہ تو بتایئے۔"

"فرمایئے کیا مسئلہ ہے" یزید نے دریافت کیا۔

"جس کپڑے میں مچھر کا خون لگا ہو، اس میں نماز ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟" امیر مصر نے کہا۔

حضرت یزید بن ابی حبیب نے یہ سن کر منہ پھیر لیا اور گفتگو بند کر دی۔ ان کی ناگواری خاطر کو محسوس کر کے حوثرہ اٹھ گیا۔ اس کو اٹھتے دیکھ کر یزید نے فرمایا۔

"روزانہ خلق خدا کا خون کرتے ہو اور مجھ سے مچھر کے خون کے متعلق مسئلہ پوچھتے ہو!"

حق پسندی

(۱)

حضرت امیر معاویہؓ نے ضرار اسدی سے کہا۔

"مجھ سے علیؓ کے اوصاف بیان کرو!"

"امیر المومنین مجھے اس سے معاف فرمائیے۔ یہ مسئلہ بہت نازک ہے۔ آپ کے اور ان کے درمیان جنگ رہ چکی ہے۔ شاید آپ میرے بیان کی تاب نہ لاسکیں۔" ضرار اسدی نے جواب دیا۔

"نہیں اس کا خیال نہ کرو وہ وقت گذر چکا۔" امیر معاویہ نے اطمینان دلاتے ہوئے فرمایا۔

اس پر ضرار اسدیؒ نے کہنا شروع کیا۔

"اگر آپ کو اصرار ہے تو سنئے۔ وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے، فیصلہ کن بات کہتے تھے۔ عادلانہ فیصلہ کرتے تھے۔ سراسر علم تھے۔ ہر بات سے علم کا چشمہ پھوٹتا تھا۔ ان کے تمام اطراف سے حکمت ٹپکتی تھی۔ دنیا کی اور اس کی دلفریبی سے وحشت کرتے اور رات اور رات کی وحشتناکی سے انس رکھتے تھے خدا کے خوف سے بڑے رونے والے اور بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے تھے

چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند کرتے تھے۔ ہم میں بالکل ہماری ہی طرح رہتے تھے۔

جب ہم ان سے سوال کرتے تو وہ ہمارا جواب دیتے۔ جب ان سے انتظار کو کہتے تو ہمارا انتظار کرتے۔ وہ ہم سے مساویانہ سلوک کرتے۔ مگر ان کی ہیبت کے باعث ہم ان سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے۔ وہ اہل دین کی عزت کرتے۔ غریبوں کو مقرب بناتے۔ قوی کو ناحق میں حرص و طمع کا موقع نہیں دیتے تھے۔ اور کمزور کو انصاف سے ناامید نہیں ہونے دیتے تھے۔

میں نے ان کو عین معرکۂ جنگ کے زمانے میں دیکھا ہے کہ رات گذر چکی ہے ستارے ڈوب رہے ہیں۔ اور وہ اپنی ڈاڑھی پکڑے ہوئے مار گزیدہ کی طرح مضطرب اور غمزدہ آدمی کی طرح بے قرار ہیں اور کہہ رہے ہیں اے دنیا مجھ کو فریب نہ دے۔ دوسرے کو دے۔ اے دنیا تو مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے میری طرف لپک لپک کے آتی ہے۔ حالانکہ میں تجھے تین طلاق دے چکا ہوں اور اب رجعت ناممکن ہے۔ اے دنیا تیری عمر کم اور تیرا مقصد حقیر ہے۔ آہ زاد راہ کم، سفر دراز اور راستہ وحشت خیز ہے۔"

"خدا ابوالحسن پر رحم فرمائے۔ خدا کی قسم وہ ایسے ہی تھے۔" امیر معاویہؓ نے رو کر کہا۔

---

(۲)

حضرت معاویہؓ دربار لگائے بیٹھے تھے۔ اتفاق سے حضرت ابو مریم ان سے ملاقات کرنے کے لیے آئے مگر اس وقت معاویہؓ کسی اور ہی عالم میں تھے ان کو ابو مریم کا آنا ناگوار ہوا۔

"ابو مریم۔ اس وقت تمہارے آنے سے ہمیں کچھ خوشی نہیں ہوئی"۔ حضرت معاویہ نے صاف گوئی سے کہا۔

ابو مریم نے یہ سن کر کہا۔ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو مسلمانوں کا والی بنائے۔ اگر وہ ان کی حاجتوں سے آنکھ بند کر کے پردے میں بیٹھ جائے تو اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن اس کی حاجتوں کے سامنے پردہ ڈال دے گا۔"

حضرت معاویہؓ یہ سن کر لرز اٹھے اور اسی وقت حکم دیا کہ ایک آدمی مقرر کر دیا جائے جو لوگوں کی حاجتوں کو ان تک پہنچائے۔

(۳)

حضرت سعید بن جبیر ایک ممتاز تابعی تھے۔ جب قیس بن اشعث نے حجاج بن یوسف کے مظالم سے خلق خدا کو نجات دلانے کے لیے تلوار ہاتھ میں لی تو سعید بن جبیر نے بھی ان کا ساتھ دیا۔ لیکن ابن اشعث نے شکست کھائی۔ اور سعید بن جبیر مکہ چلے گئے۔ مکہ کے والی خالد بن عبداللہ قشیری نے ان کو گرفتار کر کے

حجاج کے پاس بھجوا دیا۔ وہ پہلے ہی ان کے خلاف غصے میں بھرا بیٹھا تھا۔ دیکھتے ہی بھڑک اٹھا اور بولا۔

حجاج ۔ تمہارا نام؟

سعید ۔ سعید بن جبیر

حجاج ۔ نہیں بلکہ شقی بن کسیر

سعید ۔ میری ماں تم سے زیادہ میرے نام سے واقف تھی

حجاج ۔ تمہاری ماں بھی شقی تھی اور تم بھی شقی ۔

سعید ۔ غیب کا علم خدا کے سوا کس کو ہے؟

حجاج ۔ میں تمہاری دنیا کو بھڑکتی ہوئی آگ سے بدل دوں گا۔

سعید ۔ اگر مجھ کو یہ یقین ہوتا کہ یہ تمہارے اختیار میں ہے تو میں تمہیں اپنا معبود بنا لیتا۔

حجاج ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے؟

سعید ۔ امام ہدایت تھا اور نبی رحمت تھے۔

حجاج ۔ اور علی رضہ اور عثمان رضہ کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے وہ جنت میں ہیں یا جہنم میں؟ ۔

سعید ۔ میں ان کا وکیل نہیں ہوں ۔!

حجاج ۔ ان میں سے تم کس کو زیادہ پسند کرتے ہو؟

سعید - جو میرے خدا کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ تھا!

حجاج - خدا کے نزدیک کون سب سے زیادہ پسندیدہ تھا؟

سعید - اس کا علم خدا ہی کو ہے جو دلوں کے بھید جانتا ہے۔

حجاج - امیر المومنین عبدالملک کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟

سعید - تم ایسے شخص کے متعلق مجھ سے کیا پوچھتے ہو جس کے گناہوں میں سے ایک گناہ تمہارا وجود ہے

حجاج - تم ہنستے کیوں نہیں۔

سعید - وہ کس طرح ہنس سکتا ہے جو مٹی سے پیدا ہوا اور مٹی کو آگ کھا جاتی ہے۔

حجاج - پھر ہم لوگ تفریحی مشاغل سے کیوں ہنستے ہیں۔

سعید - سب کے دل یکساں نہیں ہوتے۔

بالآخر حجاج نے بگڑ کر حکم دیا کہ ان کی گردن مار دی جائے اور پوچھا

"بتاؤ تم کس طرح قتل کیا جانا پسند کرتے ہو!"

سعید - جس طرح تم آخرت میں قتل ہونا پسند کرتے ہو۔

حجاج - کیا تم چاہتے ہو کہ میں تمہیں معاف کر دوں۔

سعید - تم معاف کرنے والے کون ہو۔ معاف تو اللہ ہی کرتا ہے۔

حجاج .. تو پھر میں تم کو قتل ہی کر دوں گا۔

سعید - اللہ تعالیٰ نے میری موت کا جو وقت مقرر کیا ہے اگر وہ آگیا ہے تو اس سے

مفر نہیں وہ آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔ اور زندہ رہنا مقدر ہے تو وہ بھی اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

حجاج نے حکم دیا کہ ان کو قتل کر دیا جائے۔ جب مقتل میں پہنچے تو ان کے لبوں پر ہنسی تھی۔ حجاج کو معلوم ہوا تو اس نے انہیں بلا لیا اور پوچھا تم کس بات پر ہنس رہے تھے؟۔

سعید۔ خدا کے مقابلے میں تمہاری جرأتوں پر اور تمہارے معاملے میں خدا کے حلم پر!

حجاج نے اپنے سامنے ہی قتل کا چمڑا بچھانے کا حکم دیا۔

حضرت سعید ابن جبیر نے کلمۂ شہادت پڑھا اور دعا کی کہ الٰہ العالمین میرے قتل کے بعد حجاج کو کسی کے قتل پر قادر نہ کرنا۔ جلاد کی شمشیر فضا میں لہرائی اور حضرت سعید کا سر تن سے جدا تھا۔ سر زمین پر گرا تو زبان سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ نکلا۔

چند روز کے بعد حجاج دماغی امراض میں مبتلا ہو گیا۔ اور پھر اس کو قدرت نہ ہوئی کہ کسی کو قتل کرائے۔ اس پر بے ہوشی کے دورے پڑتے تھے۔ اور بے ہوشی کے عالم میں اسے حضرت سعید ابن جبیر یہ پوچھتے ہوئے نظر آتے تھے کہ "دشمن خدا تو نے مجھے کس جرم میں قتل کیا؟"

(۴)

حضرت سعید ابن مسیب ایک جلیل القدر صاحب فضل و کمال تابعی تھے۔

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے جب مکہ معظمہ میں خلافت کا اعلان کیا تو جابر بن اسود کو بھیجا کہ اہل مدینہ کی بیعت لے۔ جابر بن اسود کے چار بیویاں تھیں اس نے ایک کو طلاق دی اور عدت پوری ہونے سے پہلے پانچویں شادی کر لی جو شرعاً ناجائز ہے۔ حضرت سعید نے جابر بن اسود سے بیعت کے مطالبے کے جواب میں کہا کہ جب تک تمام مسلمانوں کا کسی ایک شخص پر اتفاق نہ ہو جائے میں کسی کی بیعت نہیں کروں گا۔ علاوہ ازیں تمہارے ہاتھ پر بیعت کس طرح کر سکتا ہوں جس نے عدت پوری ہونے سے پہلے پانچویں شادی کر لی۔

جابر بن اسود کو طیش آ گیا۔ اور کوڑوں سے پٹوانے کا حکم دیا۔

حضرت سعید بن مسیب کے بدن پر کوڑے برس رہے تھے مگر ان کی زبان اعلان حق میں مصروف تھی وہ کہہ رہے تھے۔

"کتاب اللہ کا حکم سنانے سے مجھے کوئی چیز نہیں روک سکتی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلاث و رباع۔ اور تو نے چوتھی کی موجودگی میں پانچویں عورت سے شادی کر لی۔ جو تیرے دل میں آئے کر گذر۔"

اطاعت کے حدود

یزید بن عبد الملک (اموی خلیفہ) کے زمانے میں خراسان و عراق کے گورنر عمر بن ہبیرہ نے اکابر علماء کو بلا کر بطور استفتاء سوال کیا۔ "یزید خدا کا خلیفہ ہے میں اس کا والی ہوں، اس کی اطاعت خدا کی طرف سے مجھ پر واجب ہے وہ ہمارے پاس اپنے احکام بھیجتا ہے۔ میں تعمیل کرتا ہوں۔ اس صورت میں آپ کی کیا رائے ہے۔ مجھ پر عند اللہ اس کے عیب و صواب کی ذمہ داری ہے یا نہیں!"

حضرت حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ موجود تھے انہوں نے جواب دیا۔

"ابن ہبیرہ یزید کے بارے میں خدا سے ڈر۔ اور خدا کے معاملے میں یزید سے نہ ڈر۔ خدا تجھ کو یزید سے بچا سکتا ہے۔ مگر یزید تجھ کو خدا سے نہیں بچا سکتا۔ وہ زمانہ قریب ہے کہ خدا تیرے پاس ایسا فرشتہ بھیجے گا جو تجھے تخت حکومت سے اتار کر اور قصر امارت سے نکال کر قبر کی تنگی میں ڈال دے گا۔ اس وقت تیرے نیک اعمال کے سوا کوئی شے تجھے نہ بچا سکے گی۔ خدا نے بادشاہ اور حکومت کو اپنے دین کی حمایت اور اپنے بندوں کی خدمت کے لئے بنایا ہے۔ خدا کی دی ہوئی حکومت و اقتدار کے ذریعے خدا کے بندوں پر سوار نہ ہو جائے۔ خدا کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی فرمانبرداری جائز نہیں "

کلمۂ حق

حضرت سعید بن مسیب، ایک مرتبہ بازار میں بیٹھے تھے۔ مطلب بن صائب ان کے ساتھ تھے۔ اتنے میں بنی مروان (بنو امیہ) کا ہرکارہ ادھر سے گذرا۔ سعید نے پوچھا۔

"تم بنی مروان کے ہرکارے ہو؟"

ہرکارہ ۔ جی ہاں ۔

سعید ۔ تم نے انہیں کس حال میں چھوڑا

ہرکارہ ۔ اچھے حال میں۔ عیش کر رہے ہیں

سعید ۔ تم اسے اچھا حال کہتے ہو۔ وہ انسانوں کو بھوکا رکھتے ہیں اور کتوں کا پیٹ بھرتے ہیں ۔

ہرکارہ غصے میں بھر گیا۔ مطلب بن سائب نے اسے سمجھا بجھا کر رخصت کیا۔ اور حضرت سعید سے کہا۔ "خدا آپ کی مغفرت کرے۔ سرکاری آدمیوں سے اس طرح کی صاف گوئی نہ کیا کیجئے۔ ایسا نہ ہو جان کے لالے پڑ جائیں۔"

سعید ۔ بے وقوف آدمی خاموش رہو۔ خدا کی قسم جب تک میں خدا کے حقوق کی حفاظت کرتا ہوں اس وقت تک وہ مجھے ان ظالموں کے قبضے میں نہیں دے گا۔"

جرأت و بے باکی

حضرت سلیمان بن مہران جو اعمش کے لقب سے مشہور ہیں۔ عجمی النسل تھے دیلم کے معرکے میں گرفتار ہوئے۔ ان کے مالک نے ان کو آزاد کر دیا اور وہ کوفہ کے مرکز علوم میں پہنچ کر تحصیل علم کی طرف متوجہ ہوئے۔ اسلام کے فیض نے اس غلام کو مسلمانوں کا پیشوا اور امام بنا دیا۔ دولت علم سے بہرہ مند ہو کر دولت دنیا سے بے نیاز ہو گئے۔ کہتے ہیں ان کی معاش نہایت تنگ تھی۔ مگر ان کی مجلس میں امراء و سلاطین، فقیر معلوم ہوتے تھے۔

تشنہ توحید سے ایسے سرشار تھے کہ حق کے معاملے میں کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ ایک مرتبہ بنی امیہ کے جلیل القدر خلیفہ ہشام نے ان کو لکھا کہ "میرے لئے علی کی برائیاں اور عثمان کے فضائل قلمبند کر دیجئے"۔ جب بادشاہ کا خط اس "فقیر" کے پاس پہنچا۔ تو اس نے خط کو پڑھ کر قاصد کے سامنے ہی بکری کو کھلا دیا۔ اور کہا "یہ تمہاری تحریر کا جواب ہے"۔ جب قاصد نے جواب پر زیادہ اصرار کیا تو لکھا "بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اما بعد۔ اگر عثمان رض کی ذات میں ساری دنیا کے انسانوں کی خوبیاں جمع ہوں تب بھی تمہاری ذات کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اور اگر علی رض کی ذات میں دنیا بھر کی برائیاں مجتمع ہوں تو اس سے تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تم کو تو اپنے نفس کی خبر رکھنی چاہیے"۔ یہ تھا جواب ایک فقیر بے نوا کا ایک بادشاہ ہفت کشور کو۔

بے نیازی و استغنا

ارباب اقتدار کے عطیات بہت بڑا فتنہ ہیں۔ یہ قوموں کے اخلاق کو گھن کی طرح کھا جاتے۔ زبان حق کو گنگ کرتے، اور ملت کے حوصلوں کو پست کرتے ہیں۔ اسلامی زندگی ان عطیات کے ساتھ میل نہیں کھاتی اور ارباب صلاح و تقویٰ ان سے ہمیشہ اجتناب کرتے تھے۔ اور یہاں تک احتیاط برتتے تھے کہ عوام کے لیئے سند جواز حاصل کرنے کا شائبہ امکان بھی نہ رہے۔

حضرت طاؤس بن کیسان ابتدا میں غلام تھے۔ مگر اسلام نے ان کو آزاد کیا اور علم و فضل نے مسلمانوں کا امام بنا دیا تھا۔ یمن کے ایک شہر میں بود و باش رکھتے تھے۔ امراء و سلاطین کا احسان اٹھانا قطعاً گوارا نہیں تھا۔ کہ یہ انسانی ضمیر کو کھا جاتا ہے۔ ایک مرتبہ وہب بن منبہ کے ہمراہ حجاج بن یوسف کے بھائی محمد بن یوسف کے یہاں گئے۔ اس وقت سردی زیادہ تھی۔ محمد بن یوسف نے ان کے اوپر ایک چادر ڈلوا دی۔ لیکن انہوں نے کندھے ہلا ہلا کر چادر کو بدن پر سے گرا دیا۔ محمد بن یوسف آخر حجاج کا بھائی تھا۔ ان کی اس حرکت پر سخت برہم ہوا۔ لیکن انہوں نے اس کی برہمی کی مطلق پروا نہ کی۔

یہاں سے اٹھے تو وہب بن منبہ نے ان سے کہا

"آپ نے غضب کیا۔ اگر آپ کو چادر کی ضرورت نہیں تھی تو محمد بن یوسف کے غصے سے لوگوں کو بچانے کے لیئے اس وقت چادر کو قبول کر لینا چاہیئے تھا۔ چاہے بعد میں بیچ کر مساکین میں قیمت تقسیم کر دیتے۔"

حضرت طاؤس نے جواب دیا

"تم ٹھیک کہتے ہو۔ بات بالکل معمولی تھی۔ لیکن تم جانتے ہو اگر میں اس وقت چادر کو قبول کر لیتا تو لوگ میرے اس فعل کو سند جواز بنا لیتے۔

(۲)

خلیفہ سلیمان بن عبد الملک مدینہ آیا اور حضرت عمر بن عبد العزیز گورنر مدینہ کے ہمراہ مسجد نبوی میں نماز ظہر پڑھنے گیا۔ نماز سے فارغ ہو کر قصورہ کا دروازہ کھولا تو اس میں حضرت صفوان بن سلیم زہری نظر آئے جو ایک ممتاز تابعی تھے سلیمان نے عمر بن عبد العزیز سے پوچھا۔

"یہ کون بزرگ ہیں میں نے ان کے بشرے سے بہتر آثار نہیں دیکھے"۔

"امیر المومنین یہ صفوان بن سلیم ہیں"۔ عمر بن عبد العزیز نے بتایا۔

"پانسو دینار کی ایک تھیلی جا کر ان کی خدمت میں پیش کرو"۔ امیر المومنین نے اپنے غلام کو حکم دیا۔ غلام نے فوراً تعمیل ارشاد کی اور حضرت صفوان کے قریب جا کر کہا "یہ تھیلی امیر المومنین کی جانب سے آپ کے نذر ہے۔ وہ یہاں مسجد ہی میں موجود ہیں۔"

"میاں تمہیں دھوکا ہوا ہے۔ کسی اور کے پاس بھیجی ہو گی" حضرت صفوان نے غلام سے فرمایا۔

"کیا آپ صفوان نہیں ہیں؟" غلام نے ان کو یقین دلانے کے لئے پوچھا۔

"ہوں تو میں ہی صفوان۔ مگر تم جا کر دوبارہ پوچھ آؤ" حضرت صفوان نے کہا۔ جونہی غلام مڑا صفوان جوتا اٹھا کر مسجد سے نکل گئے اور پھر جتنی دیر سلیمان مسجد میں رہا وہ مسجد سے غائب رہے۔ غلام ان کی تلاش کر کے مایوس ہو کر چلا گیا۔

(۳)

سلاطین و امراء سے استغنا اسلامی زندگی کی روح ہے، جو اللہ کا ہو جاتا ہے پھر نہ کوئی طاقت اسے دبا سکتی ہے اور نہ کوئی لالچ اسے بہکا سکتا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب نے کئی اموی خلفا کا زمانہ پایا۔ مگر ان کے سامنے سر نیاز خم کرنا تو درکنار ان کو لائق التفات بھی نہ سمجھا۔

خلیفہ عبدالملک ایک مرتبہ مدینہ آیا۔ اور اس نے حضرت سعید بن مسیب سے ملنا چاہا۔ وہ مسجد نبوی میں مصروف عبادت تھے۔ عبدالملک نے دروازے پر کھڑے ہو کر آدمی کو بھیجا کہ بلا لائے اس نے آ کر کہا۔

"امیر المومنین آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

سعید۔ امیر المومنین کو نہ مجھ سے کوئی ضرورت اور نہ مجھے ان سے۔ اگر ان کی

کوئی ضرورت ہو بھی تو وہ پوری نہیں ہو سکتی۔"

عبدالملک نے یہ جواب سن کر دوبارہ آدمی بھیجا۔ اور اس کو پھر وہی جواب ملا۔ آدمی نے کہا "تم عجیب آدمی ہو کہ امیر المومنین بار بار بلا بھیجتے ہیں۔ اور تم اس طرح کا خشک جواب دیتے ہو۔ اگر امیر المومنین نے منع نہ کر دیا ہوتا تو میں تمہارا سر کاٹ کر لے جاتا۔"

حضرت سعید نے بے پروائی سے جواب دیا۔ "اگر امیر المومنین مجھے کوئی عطیہ دینا چاہتے ہیں تو وہ میں تمہیں بخشتا ہوں۔ جا کر حاصل کر لو۔ اور اگر کچھ اور ارادہ ہے تو خدا کی قسم میں اپنی نشست اس وقت تک نہیں بدلوں گا جب تک، وہ جو کرنا چاہتے ہیں کر نہ گزریں۔"

عبدالملک یہ جواب سن کر چلا گیا۔

(۴)

اموی خلیفہ عبدالملک کی اقلیم سندھ سے مراکش کے ساحل تک وسیع تھی اپنے عہد کا سب سے زیادہ باجبروت بادشاہ تھا۔ مگر سعید بن مسیب کے متعلق سن چکے کہ وہ اسے خاطر میں نہ لاتے تھے۔

ایک مرتبہ خلیفہ مدینہ آیا ہوا تھا۔ کسی وجہ سے ایک رات اسے نیند نہ آئی۔ اس نے دربان کو حکم دیا کہ مسجد میں جا کر دیکھو۔ اگر مدینہ کا کوئی قصہ خواں مل جائے تو لے آؤ کہ ذرا جی بہلے۔ حاجب مسجد نبوی میں آیا۔ اسے ناوقت

یہاں کون ملتا۔ حضرت سعید بن مسیب ذکر و شغل میں مصروف تھے۔ اس نے اشارے سے اپنی طرف متوجہ کیا۔

سعید۔ اپنی ضرورت بیان کرو۔ تم کیا چاہتے ہو۔

حاجب۔ امیرالمومنین کی آنکھ کھل گئی ہے۔ اور مجھے حکم دیا ہے کہ کسی قصہ خوان کو لے آؤں۔ اس لئے میرے ہمراہ چلو۔

سعید۔ مجھے بلوایا ہے کیا؟

حاجب۔ نہیں۔ بلکہ یہ فرمایا ہے کہ جا کر دیکھو اگر مدینہ کا کوئی قصہ خواں ہو تو لے آؤ۔ میں نے تمہیں دیکھا کہ جاگ رہے ہو۔ اس لئے تمہیں ہی لے چلتا ہوں۔

سعید۔ امیرالمومنین سے جا کر کہہ دو میں ان کا قصہ خواں نہیں ہوں۔

حاجب نے عبدالملک کو جا کر بتایا کہ ایک آدمی مسجد میں ملا تھا۔ مگر وہ کوئی دیوانہ سا تھا۔ اس نے یہ جواب دیا۔ عبدالملک نے کہا وہ سعید بن مسیب ہیں۔ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔

استقلال و استقامت

(۱)

بنو امیہ کے خلفاء کا قاعدہ تھا کہ وہ اپنی زندگی ہی میں دو دو ولی عہد بنا دیتے تھے اور مسلمانوں سے ان کی بیعت لیتے تھے۔ حضرت سعید بن مسیب کی رائے تھی کہ خلیفہ کی زندگی میں کسی اور کی بیعت درست نہیں۔ ہشام بن اسماعیل والی مدینہ نے اہل مدینہ سے بیعت لینے کے بعد حضرت سعید بن مسیب کو بلایا۔

سعید۔ مجھے بلانے کی غرض کیا ہے؟۔

ہشام۔ میں آپ سے ولید اور سلیمان کی بیعت لینا چاہتا ہوں جن کو امیر المومنین نے اپنا ولی عہد مقرر کیا ہے۔

سعید۔ مگر امیر المومنین عبدالملک کی موجودگی میں کسی دوسرے کی بیعت کے کیا معنی؟۔

ہشام۔ آپ کو بیعت کرنی ہوگی۔

سعید۔ جس بات کو میں درست نہیں سمجھتا اس پر عمل کس طرح کر سکتا ہوں۔

ہشام نے یہ سن کر ان کو کوڑوں سے پٹوایا۔ اور پھر حکم دیا کہ تشہیر کراتے

ہوئے واپس الثنیہ لے جایا جائے۔ یہاں مجرموں کو سولی دی جاتی تھی، حضرت سعید بن مسیب سولی پانے کے لئے تیار ہو گئے اور سولی کے وقت ستر کھل جانے کے خیال سے جانگھیا پہن لیا۔

ہشام نے ان کے استقلال و استقامت کو دیکھا تو واپس لا کر قید کرنے کا حکم دے دیا۔ جب ان کو سپاہی واپس لے چلا تو انہوں نے پوچھا "اب واپس کہاں لئے جاتے ہو" سپاہیوں نے کہا "قید خانے"!

عبدالملک کو معلوم ہوا تو اس نے ہشام کو ملامت کا خط لکھوایا اور حکم دیا کہ سعید بن مسیب سے تعرض نہ کرو۔ وہ ان لوگوں میں نہیں ہیں جن سے فتنہ انگیزی اور اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ برائی کا خطرہ ہو۔

ہشام شرمندہ ہوا اور رہا کر دیا۔ حضرت سعید بن مسیب نے عبدالملک کا معذرت نامہ پڑھا تو کہا "بہر حال جس نے مجھ پہ ظلم کیا ہے۔ اس کے اور میرے درمیان خدا ہے وہ خوب واقف ہے"

(۴)

حضرت سعید بن مسیب ولید بن عبدالملک کے عہد میں بیمار پڑے اور ۹۴ھ میں انتقال کیا۔ جب مرض الموت میں غشی طاری ہوئی تو نافع بن جبیر نے ان کا بستر قبلہ رخ کر دیا۔ ہوش میں آئے تو فرمایا۔ اس سے کیا حاصل!

"اگر میں مسلمان ہوں تو خواہ کسی سمت مروں میرا رخ قبلہ ہی کی جانب ہوگا۔

اور اگر ملت اسلام پر نہیں ہوں اور دل قبلہ کی جانب نہیں ہے تو پھر رخ کو قبلے کی طرف پھیرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ میں بحمد اللہ مسلمان ہوں جس سمت بھی رُخ ہو قبلے ہی کی طرف ہوگا۔"

سلاطین سے اجتناب

امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ "فقہا (عالمان دین) انبیاء و رسل کے امین ہیں، جب تک کہ وہ سلاطین و امرا کی آستاں بوسی نہ کریں۔ جب وہ بھی آستاں بوسی کا شیوہ اختیار کر لیں تو وہ انبیاء و رسل کی امانت کا حق ادا کرنے کے قابل نہیں رہتے۔ نیز فرماتے جب تمہارے پاس سلطان وقت، یا کسی اور حاکم کا کوئی حکم پہنچے تو لا حول ولا قوۃ الا باللہ زیادہ پڑھو۔ یہ کشادگی کی کنجی ہے۔

نصرت الٰہی

بنی عباس کا باجبروت خلیفہ مامون طرسوس میں پڑاؤ ڈالے پڑا تھا۔ اس نے والیِ بغداد کو حکم دیا کہ فقہاء و محدثین کو جمع کر کے ان کے سامنے یہ سوال کرو کہ وہ قرآن کو مخلوق مانتے ہیں یا غیر مخلوق۔ جو مخلوق مان لیں ان کو چھوڑ دو۔ اور جو نہ مانیں ان کو پابجولاں میرے پاس بھیج دو۔ تاکہ میں ان کی گردن مار دوں۔

اسحاق بن ابراہیم والیِ بغداد نے اس فرمانِ شاہی پر عمل کیا اور بغداد کے فقہاء و محدثین کو اپنے سامنے جمع کیا۔ چار کے سوا سب نے سرکاری عقیدے کو مان لیا۔ ان چاروں کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دی گئیں اور قید کر دیا گیا۔ صبح ہوئی تو ان میں سے ایک، اور ٹوٹ گیا۔ دوسرے روز ایک اور شاہی دھمکیوں کی تاب نہ لا سکا۔ اور اس نے بھی حکومت کے جبر کے سامنے سر جھکا دیا۔ اب صرف ابن نوح اور احمد بن حنبل باقی رہ گئے۔ ان کو پابجولاں طرسوس روانہ کر دیا گیا۔ راہ میں ابن نوح نے انتقال کیا اور صرف احمد بن حنبل طرسوس پہنچے مگر خدا کی قدرت کہ ان کے پہنچنے سے قبل مامون کی اپنی اجل آگئی۔

حق گوئی

ہشام بن عبدالملک ولی عہدی کے زمانے میں عمائد شام کے ساتھ حج کو گیا۔ بیت اللہ کا طواف کرنے کے بعد حجر اسود کو بوسہ دینے کے لیے آگے بڑھا تو ہجوم اتنا تھا کہ انتہائی کوشش کے باوجود نہ پہنچ سکا۔ اور مجبور ہو کر رک گیا۔ اور بھیڑ کے کم ہونے کا انتظار کرنے کے لئے کچھ فاصلے پر کرسی بچھا کر بیٹھ گیا۔

اتنے میں امام زین العابدین آئے اور طواف کے بعد حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے بڑھے۔ ہجوم نے ان کو دیکھا تو اس طرح چھٹ گیا گویا بادل تھا جو آفتاب کی کرنوں سے چھٹ گیا۔ حضرت امام اطمینان سے آگے بڑھے اور حجر اسود کو بوسہ دیا۔ اس حیرت انگیز منظر کو دیکھ کر ایک شامی سردار نے ہشام سے پوچھا یہ کون شخص ہے جو دلوں پر یوں حکومت کر رہا ہے؟

ہشام نے انجان بن کر کہا "میں نہیں جانتا"

فرزدق شاعر اتفاق سے وہاں موجود تھا اس نے ہشام کا یہ تجاہل عارفانہ دیکھا تو پکار اٹھا "میں ان کو جانتا ہوں"

"یہ کون ہیں؟" شامی نے پوچھا۔

فرزدق نے وہیں ارتجالاً ایک پرزور قصیدہ مدحیہ امام زین العابدین کی شان میں پڑھ دیا ؎

ھذا الذی تعرف البطحاء وطأتہ	والبیت یعلم ذا الحل والحرم
ھذا ابن خیر عباد اللہ کلھم	ھذا التقی النقی الطاھر العلم
اذا رأتہ قریش قال قائلھا	الی مکارم ھذا منتھی الکرم
ولیس قولک ھذا بضائرہٖ	العرب تعرف ان انکرت والعجم
ما قال لا قط الا فی تشھدہ	لولا تشھد کانت لاءہ نعم
یکاد یمسکہ عرفان راحتہ	رکن الحطیم اذا ما جاء یستلم
مقدم بعد ذکر اللہ ذکرھم	فی کل امر ومختوم بہ الکلم
یغضی حیاء و یغضی من مھابتہ	ولا یکلم الا حین یتبسم
ھذا ابن فاطمۃ ان کنت جاھلہ	بجدہ انبیاء اللہ قد ختموا

(یہ وہ شخص ہے جس کو بطحا کی سرزمین جانتی ہے بیت اللہ جانتا ہے اور حرم جانتا ہے اور ساری دنیا اس سے واقف ہے۔

یہ اس کا فرزند گرامی ہے جو تمام بندگان الٰہی میں بہتر تھا

یہ پرہیزگار پاکباز نیک اور بزرگ ہے۔ جب قریش اس کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں یہ وہ ہے جس کی شرافت پر شرافت کامل ہو گئی۔

تیرا یہ کہنا کہ میں اسے نہیں جانتا اس کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اگر

عجم اس کو نہیں جانتا تو عرب تو خوب جانتا ہے۔

یہ ایسا سخی ہے کہ کلمۂ شہادت کے سوا اس نے لفظ لا (نہیں) کبھی نہیں کہا۔ اگر تشہد نہ ہوتا تو وہ لا کی بجائے بھی نعم (ہاں) ہی کہتا۔

جب وہ رکن حطیم کی طرف بوسہ دینے آتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود حطیم بڑھ کر اس سے مل جائے گا۔ یہ اس خاندان میں سے ہے جن کا ذکر ہر معاملے میں اللہ کے بعد ہوتا ہے اور بات انہی کی مدح پر آ کر ختم ہوتی ہے۔ اس کے لحاظ اور ہیبت کی وجہ سے کوئی اس کے سامنے بات نہیں کرتا۔ اگر کرتا ہے تو اس وقت جب وہ مسکراتا ہے '۔

یہ فاطمہ کا پوتا ہے اگر تو نہیں جانتا تو سن کہ اس کے نانا پر اللہ کے نبیوں کا سلسلہ بند ہو گیا۔)

بنو امیہ کو آل علیؓ و حسینؓ سے جو بغض و عناد تھا۔ اس کو دیکھتے ہوئے فرزدق کی یہ بے باکی موت سے کھیلنے کے مرادف تھی۔ مگر ہمارے اسلاف تلوار کی دھار پر بھی حق بات کہنے کے عادی تھے۔ فرزدق نے یہ قصیدہ اس جوش سے پڑھا کہ سب طرف سناٹا چھا گیا۔ ہشام بھی دم بخود سنتا رہا۔ اس وقت تو کچھ نہ کہا۔ مگر بعد میں فرزدق کو قید کر دیا۔

امام زین العابدین نے حسن قبول کے طور پر فرزدق کو ۱۲ ہزار درہم عطا فرمائے۔ مگر اس نے یہ کہہ کر واپس کر دیئے کہ میں نے خدا و رسولؐ کی خوشنودی

کے لئے مدح کی تھی۔ انعام کی طمع میں نہیں۔ اگر انعام کا طلبگار ہوتا تو ہشام کی مدح سرائی کرتا۔

امام نے عطیہ پھر اس پیغام کے ساتھ واپس بھجوا دیا۔ کہ ہم اہل بیت جب کسی کو کچھ دیتے ہیں۔ تو پھر واپس نہیں لیتے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری نیت سے واقف ہے اس کا اجر علیحدہ دے گا۔

ارشاد کی تعمیل میں فرزدق نے عطیہ لے لیا۔

○
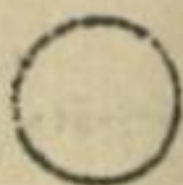
چند اچھی کتابیں

عربی سیکھئے

عربی کا معلّم:- بغیر استاد گھر بیٹھے آپ عربی زبان سیکھ سکتے ہیں
قیمت حصہ اول مع کلید ۱۲؍ حصہ دوم مع کلید ۱۲؍ حصہ سوم مع کلید ۱۰؍ حصہ چہارم مع کلید ۱۲؍

کلام عربی:- عربی سیکھنے کی بہترین کتاب ہے۔ حصہ اول دوم قیمت ۲؍

بیان اللسان:- عربی سے اردو لغت ہے اور انگریزی ڈکشنریوں کی طرز پر لکھی گئی ہے۔ قیمت مجلد نو روپے

قاموس القرآن:- پورے قرآن مجید کے الفاظ کے معانی بہ ترتیب حروف تہجی لکھنے کے بعد ان کی لغوی صرفی اور نحوی تشریح کی گئی ہے قیمت مجلد آٹھ روپے

قول حق:- مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں مرحوم نجیب آبادی کی ایک بصیرت افروز اور معلومات آفریں کتاب ہے جس میں اسلامی تعلیمات۔ اور اسلامی تاریخ کو اس طرح سمو کر رکھ دیا گیا ہے۔ کہ دل و دماغ روشن ہو جاتے ہیں۔ اور راہِ عمل واضح ہو جاتی ہے۔ قیمت تین روپئے آٹھ آنے۔

تدریس القرآن :۔ قرآن حکیم کا ترجمہ ہے ۔ اور قرآن کو قرآن کی زبان میں سمجھنے کا نیا اسلوب ہے ۔ فی الحال پارہ اوّل ، دوم ، سوم ، چہارم ، پنجم اور آخری پارہ عم تیار ہے ۔ فی پارہ بارہ آنے ۔

تیر و نشتر :۔ از ملک نصراللہ خاں عزیز۔ اخبار کوثر کے تیر و نشتر کے کالموں کا انتخاب لاجواب ہے ۔ قیمت ایک روپیہ صرف

نظام اطاعت کی تین کڑیاں :۔ از مولانا جعفر شاہ صاحب پھلواری۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ خدا اپنے بندوں سے کس قسم کی اطاعت چاہتا ہے۔ قیمت ۴ر

اسلام کی بنیادی تعلیمات قیمت ۴ر

کوثر بک ایجنسی کی زیر طبع کتب

البیرونی کا روزنامچہ :۔ از ملک نصراللہ خاں عزیز

امام احمد بن حنبل :۔ از " " " "

رہنمائے اطفال :۔ بچوں کے لئے گھر، مدرسہ، کھیل کی زندگی اور دوسرے تمام معاملات میں بہترین رہنما ۔ از ظفراللہ خاں ایم اے ۔

* اور بچوں کے لئے دیگر کئی کتب زیر تصنیف و طبع ہیں *

انتظار فرمائیے

طبع اول — نومبر ۱۹۵۵ء

تعداد — ۱۰۰۰

ناشر — کوزنک ایجنسی لاہور

طابع — انصاف پریس لاہور

قیمت دو روپے چار آنے